**مرزا شوق لکھنوی** از جناب خواجہ احمد صاحب فاروقی تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۱۲؍ پتہ محمد اسلم نمبر ۵، عماد الملک روڈ اسلم یونیورسٹی علی گڈھ و اردو بک ڈپو پچھرادن ضلع مراد آباد،

اردو کی مثنویوں مین نواب مرزا شوق کی مثنویوں بہار عشق و زہر عشق خصوصاً زہر عشق کو جو حسن قبول حاصل ہوا، وہ کسی دوسری مثنوی کے حصہ مین نہین آیا، اس کی وجہ یہ ہو کہ حسن بیان ولطف زبان، محاوروں اور روزمرہ کے استعمال، فصاحت وسلاست، سادگی وبے ساختگی، جذبات وکیفیات کی مصوری اور جذب وکشش مین کوئی مثنوی زہر عشق اور بہار عشق کا مقابلہ نہین کر سکتی اور ان کے جیسے بہتر نمونے ان دونون مین ملتے ہین، ان سے اردو کی دوسری مثنویان خالی ہین، اور اس وصف مین گلزار نسیم اور سحر البیان بھی اپنی تمام خصوصیات کے باوجود ان کا مقابلہ نہین کر سکتین، زہر عشق پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، لیکن بہار عشق کا پورا حق ادا نہین کیا گیا تھا، مصنف نے اس کتاب مین اس کو ادا کیا ہے، وہ صاحب ذوق ادیب ونقاد ہین، اس لئے بڑی خوبی سے زہر عشق اور بہار عشق کا تجزیہ کر کے ان کی خصوصیات اور ان کے محاسن ومعائب دکھائے ہین، انداز بیان دلکش اور ادیبانہ ہے،

**ہماری کتاب قاعدہ پہلا دوسرا اور تیسرا حصہ** } مرتبہ جناب افضل حسین صاحب ایم اے بی ٹی ناظم درسگاہ جماعت اسلامی، تقطیع بڑی کاغذ کتابت بہتر قیمت فی حصہ ۰ مجموعی ۱۲؍ پتہ مکتبہ جماعت اسلامی رامپور

مسلمان بچون کی ابتدائی تعلیم کی کتابون کی کمی نہین ہے، لیکن ایسی کتابین بہت کم ہین جن مین ان کی تمام تعلیمی ضرورتون کا لحاظ رکھا گیا ہو، یہ نصاب اسی ضرورت کے پیش نظر مرتب کیا گیا ہے، اس مین اصول تعلیم کے مطابق اردو کی تعلیم کے ساتھ مذہبی واخلاقی تعلیم وتربیت، مفید مذہبی معلومات تاریخ اسلام کے متفرق مؤثر واقعات بچون کے ذوق کی دلچسپ حکایات ونظومات وغیرہ وہ تمام باتین موجود ہین جو ایک مسلمان بچے کے لئے ضروری ہین، اسلئے یہ نصاب تعلیمی اور مذہبی دونون حیثیتون سے ان کے پڑھانے کے لائق ہے،

"م"

جلد ۶۶ ماہ شوال المکرم ۱۳۶۹ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۵۰ء عدد ۲

## مضامین



## مقالات



## تلخیص وتبصرہ



## ادبیات

# شذرات

اس صوبہ مین اردو زبان کی تعلیم کے مسئلہ پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہو، لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہین نکلا، تاہم اس سے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ کسی حد تک اردو کا بھی حق مان لیا گیا، اور اسکو بھی تعلیم گاہون مین بار مل گیا، لیکن اسکی جو شکل اختیار کی گئی ہے، وہ عملاً بے نتیجہ ہے، اور شعبہ تعلیم کے حکام اور عہدہ دارون کی اردو دشمنی کی بنا پر اس اجازت سے بھی پورا فائدہ نہین اٹھایا جا سکتا،

(۰)

اس کی تفصیل یہ ہو کہ نئے نظام تعلیم مین بنیادی طور پر یہ مان لیا گیا ہو کہ ابتدائی تعلیم مادری زبان مین دیجائیگی، اور مادری زبان وہ مانی جائے گی، جو بچون کے والدین بتائین گے، اس اصول کے مطابق پرائمری تعلیم مین اردو کو بھی ذریعہ تعلیم بنایا گیا ہے، اور اس کی کتابین بھی ملتی ہین، لیکن اس کے متعلق احکام اتنے مجمل ہین کہ ان سے فائدہ اٹھا کر پرائمری اسکولون سے عملاً اردو بالکل ختم کر دی گئی ہے، اور صاف جواب ملتا ہو کہ اردو کی تعلیم کا انتظام نہین ہو سکتا، اگر کسی اسکول مین کسی مجبوری کی بنا پر اس کا انتظام ہو بھی تو اردو کے ساتھ ہندی کی تعلیم بھی ضروری ہے، حتی کہ اسلامی مکاتب بھی اس پر مجبور ہین، اس سے بچون پر دہرا بار پڑتا ہے، اور جب اعتراض یا گرفت کا خطرہ ہوتا ہو تو یہ جواب دیا جاتا ہو کہ اردو مین پڑھنے والے لڑکے ہی نہین ملتے، یہ جواب ان مقامون کے لئے جہان مسلمانون کی آبادی بہت کم اور محض ادنی طبقون پر مشتمل ہو کسی حد تک قابل قبول ہو سکتا ہو، لیکن ان بڑی آبادیون کے لئے جہان ہر طبقہ کے مسلمان ہون، یہ عذر لنگ کسی حیثیت سے بھی قابل سماعت نہین، ضلع اعظم گڈھ مین مسلمانون کی بڑی بڑی بستیان ہین لیکن کسی پرائمری اسکول مین اردو مین تعلیم کا انتظام نہین، یہی حال دوسرے اضلاع کا بھی ہوگا،

---



جونیر ہائی اسکول یعنی چھٹے ساتوین آٹھوین درجہ مین ہندی لازمی ہو اور اردو کی حیثیت جنرل سائنس اور انگریزی کے ساتھ اختیاری مضمون کی ہو، چنانچہ جن اسکولون مین جنرل سائنس کی تعلیم کا انتظام ہو، وہان اس کے ساتھ صرف ایک اختیاری مضمون لیا جا سکتا ہے، جو ظاہر ہے کہ اپنی اہمیت کی بنا پر انگریزی ہی ہوگی، اس طرح ان اسکولون مین اردو کی تعلیم کا کوئی موقع ہی نہین رہ جاتا، لیکن اس کے باوجود اگر کوئی طالب علم اردو لینا چاہے تو بھی اس کو مختلف قسم کی دشواریون کا سامنا کرنا پڑتا ہے، مثلاً ہندو اسکولون مین جن کی بڑی تعداد ہے، اردو بالکل ختم کر دی گئی ہے، گورنمنٹ اسکولون مین ممکن ہو، یہ صورت نہ ہو لیکن موجودہ ذہنیت مین وہان بھی اردو کی تعلیم دشواریون سے خالی نہ ہوگی، اس لئے دیگر مسلمانون کے اسکولون مین جن کی تعداد بہت کم بلکہ برائے نام ہو، اردو باقی رہ گئی ہے، ان کے لئے یہ مشکل ہے کہ اردو کی کتابین نہین ملتین، اردو سے بے اعتنائی کا یہ حال ہو کہ اس سال کے نصاب مین دوسری تمام اختیاری زبانون حتی کہ بنگالی تک کی کتابین مقرر کر دی گئی ہین، لیکن اردو کتابون کا کہین نام نہین، ایسی حالت مین جن اسکولون مین اردو ہے بھی وہ کونسی کتابین پڑھائین، سکنڈری ہائر اسکولون مین بھی کم و بیش اسی قسم کی مشکلات ہین، اس پر مستزاد یہ ہو کہ ان مین ذریعہ تعلیم ہندی کر دی گئی ہو اور ۵۲ء سے امتحانات کے جواب بھی ہندی مین دینا ہونگے، ایسی حالت مین اردو کی حیثیت اور اہمیت کیا رہ جاتی ہے، اس سلسلہ مین اردو کی جانب سے یہ بنیادی غفلت بھی قابل ذکر ہے، کہ اس سال سے ٹرینگ اسکولون سے اردو کی تعلیم ختم کر دی گئی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چند دنون مین اردو پڑھانے والے اساتذہ نہ ملین گے،

(۰)

اگر اردو کے بارہ مین گورنمنٹ کی پالیسی اعتراض سے بچنے کے لئے اس کی تعلیم کی محض قانونی اجازت نہین ہے بلکہ وہ درحقیقت اسکی تعلیم بھی چاہتی ہو تو ان ساری مشکلات کا حل یہ ہو کہ ابتدائی تعلیم کے بارہ مین اسکی پوری جدوجہد ہونی چاہئے کہ جن طالب علمون کی مادری زبان اردو ہوگی، ان کو صرف اردو مین تعلیم دیجائیگی، اسکے ساتھ ہندی بھی پڑھائی جائیگی اور اردو کی تعلیم کے انتظام کے لئے طلبہ کی تعداد بھی متعین کر دینی چاہئے، تاکہ اجمال کی وجہ سے

اردو کو ختم کردینے کی گنجایش باقی نہ رہے، جونیر ہائی اسکول مین ایک کے بجائے دو اختیاری مضمون کردیئے جائین تاکہ دوسرے اہم مضامین کے ساتھ اردو لینے کی گنجایش بھی باقی رہے، کم از کم گورنمنٹ اسکولون مین جو اس کے اختیار مین ہین اردو کی تعلیم کے احکام پر سختی کیساتھ عمل کرایا جائے سکنڈری ہائر اسکولون مین جو اردو مین تعلیم دینا چاہین انکو اس کی اجازت دیجائے اور اس کے نصاب کی کتابین مہیا کیجائین، امتحان کے سوالات کے جوابات اردو مین بھی دینے کا اختیار دیا جائے، ٹریننگ سکولون مین اردو کی تعلیم کا انتظام کیا جائے، جن مقامون پر مسلمانون کی کافی آبادی ہو وہان اردو کے مستقل پرائمری اور جونیر ہائی اسکول قائم کئے جائین جن مین صرف اردو ذریعہ تعلیم ہو، اس مین کوئی دشواری نہین ہے، کیا صوبہ متحدہ مین اردو کی وہ حیثیت بھی نہین ہے، جو بمبئی مین ہے، وہان گجراتی اور مرہٹی کے ساتھ اردو کے بھی مستقل اسکول قائم کئے گئے ہین، اردو سے اس بے اعتنائی کے باوجود اس صوبہ سے اس کا اتنا تعلق تو ماننا ہی پڑے گا کہ

گویا نہین یہ یہان سے نکالی ہوئی تو ہے اس کو بھی اس دیار سے نسبت ہے دور کی

ورنہ موجودہ صورت مین تو اردو کی تعلیم اور اس کا باقی رہنا ممکن نہین ہے،

---

انجمن ترقی اردو نے اردو کے متعلق شعبہ تعلیم کی جملہ شکایتون، اور بے عنوانیون کی تحقیقات اور اس کے تدارک کے لئے لکھنؤ مین جو کمیٹی مقرر کی ہے ضرورت ہے کہ تمام اضلاع بلکہ ضلع کی بڑی بڑی آبادیون مین اس کی سب کمیٹیان قائم کیجائین، جو اپنے یہان کی تعلیمی شکایات کو لکھنؤ کی مرکزی کمیٹی تک پہنچائین، اب اردو کا تحفظ اور اس کی بقا صرف اس کے حامیون کی کوشش پر منحصر ہے، اس لئے گورنمنٹ نے جس حد تک بھی اسکی تعلیم کی اجازت دی ہے اس سے فائدہ اٹھانے کی تمام شکلین اختیار کرنی چاہئین، اور باقی حقوق کو حاصل کرنے کے لئے جد وجہد جاری رکھنی چاہئے، اس کے لئے عمل اور ایثار و قربانی کی ضرورت ہے، اگر اردو کے حامی ہمت وجرأت اور استقلال سے کام لین تو گورنمنٹ اردو کے واجبی حقوق ماننے پر مجبور ہوگی،

---



# مقالات

## الجزیۃ

از

مولانا سعید انصاری سابق رفیق دار المصنفین

(۲)

**جزیہ اور قرآن** جزیہ کے متعلق یہ غلط فہمی رفع کرنے کے بعد کہ وہ ذلت کا مرادف تھا، آیت جزیہ پر بحث اور مفسرین کے اقوال سے صغار کی تشریح کی جاتی ہے، اسر جدو ناتھ سرکار کی طرح بہت سے معترضین اس آیت کا حوالہ دیتے ہین، اور اس سے جزیہ کی ذلت کا مفہوم نکالتے ہین، بلاشبہہ بعض مفسرین اور فقہاء نے جزیہ کو ایسا ہی سمجھا ہے، لیکن اسلامی حکومتون کے عمل سے اس خیال کی تائید نہین ہوتی، اس لئے اس کی حیثیت ان فقہاء اور مفسرین کے ذاتی اقوال سے زیادہ نہین ہے،

قرآنی تعلیمات پر عمل کا سب سے مکمل نمونہ عہد رسالتؐ اور عصر خلفائے راشدینؓ ہے، اور ان مبارک زمانون مین صغار (ذلت) کا مطلق پتہ نہین چلتا، چنانچہ مفسرین کی جماعت مین سے ایک بڑے عالم علامہ محمد بن احمد شربینی خطیب جنھون نے تفسیر سراج المنیر ۹۶۸ھ مین تالیف کی تھی، اپنی اسی کتاب (ص ۲۰۴، جلد ۱) مین لکھتے ہین،

تفسیر کان یجلس الآخذ ..... اوس کی یہ تفسیر کرکہ یون غیر مسلم کو ذلیل

مردود، بان هذه الهيئة باطلة ودعوى سنيتها او وجوبها اشد بطلانا، ولم ينقل ان النبي صلى الله عليه وسلم ولا احد من الخلفاء الراشدين فعل شيئا من ذالك وعلى تفسيرها بما ذكر يمتنع التوكيل اذا قيل بوجوبه

کیا جائے) مردود ہے کیونکہ یہ (ذلیل کرنے کی) شکل غلط ہے اور اس کے سنت یا واجب ہونے کا دعوی کرنا اور بھی غلط ہے اور یہ منقول نہین ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا خلفائے راشدین مین سے کسی نے اس مین سے کچھ بھی کیا ہو (یعنی ذلت کا کوئی طریقہ بھی اختیار کیا ہو) اور اس تفسیر کے بموجب جب یہ ہیئت تذلیل بھی ضروری ہو تو

(ابو حیان غرناطی اور ابن قیم وغیرہ کی تشریحات آگے آتی ہین)

قرآن کے ایک شارح اور عالم اسلامی کے ایک مشہور مفسر کے اس دعوی کے بعد ہم کو حق پہنچتا ہے کہ پروفیسر جدوناتھ سرکار کی تاریخ دانی سے ان واقعات کا استفادہ کرین جو غیر مسلمون سے وصول جزیہ کے وقت اسلامی دفاتر مین بطور اہانت وتذلیل پیش آئے ہون، اسرکار نے جو کچھ لکھا ہے، وہ بے شبہہ بعض کتابون مین موجود ہے، لیکن اس سے یہ نہین معلوم ہوتا کہ کم از کم ہندوستان مین اس پر عمل بھی ہوتا تھا،

مقدار کی بحث

بہرحال قرآن مجید مین جزیہ کے متعلق جوآیت ہے وہ یہ ہے.

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ، (توبہ)

تم لڑو ان لوگون سے جو نہ خدا پر ایمان رکھتے ہین، نہ آخری دن پر، اور نہ حرام سمجھتے ہین ان چیزون کو جو خدا اور اس کے رسول نے حرام کین اور نہ سچا مذہب اختیار کرتے ہین ان لوگون مین سے جن کو کتاب دی گئی یہان تک کہ وہ جزیہ دین، ہاتھ سے اور وہ پست ہون



اس آیت مین چند امور غور طلب ہین،

۱- یہ تمام غیر مسلمون کے متعلق نہین ہے، بلکہ اس کا تعلق خاص اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) سے ہے،

۲- تمام اہل کتاب کے متعلق بھی نہین ہے، بلکہ ایک خاص گروہ کے متعلق ہے، جو اسلام کا دشمن تھا،

۳- سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ برأت مین جن مشرکون یا یہود ونصاریٰ سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے، ان مین یہ معائب موجود تھے، معاہدہ پورا نہ کرنا، مسلمانون کے خلاف دشمن کو مدد دینا، مسلمانون کے عہد اور قرابت کا لحاظ نہ کرنا، زبان سے محبت ظاہر کرنا، اور دل مین عداوت رکھنا، بدچلنی، لالچ، اسلام سے نو مسلمون کو برگشتہ کرنا، ظلم، اسلام پر حملہ کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے جلا وطن کرنا، زیادتی مین پہل کرنا، معمولی مذہبی خدمتون پر فخر کرنا، خاص یہود ونصاریٰ مین یہ عیوب تھے، کفر،... یہود حضرت عزیرؑ کو اور عیسائی حضرت مسیحؑ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، شرک، حضرت مسیحؑ احبار اور رہبان کو خدائی کا درجہ دیتے تھے، اسلام کو فنا کرنے کی کوشش کرتے تھے، اس سے لوگون کو برگشتہ کرتے تھے، غلط طریقون سے مال کھا جاتے تھے، کار خیر مین سونا چاندی خرچ نہین کرتے تھے.

۴- ظاہر ہے کہ جو فرقہ مذہبی اور اقتصادی خرابیون کے ساتھ ساتھ سیاسی حیثیت سے مسلمانون کا مد مقابل ہو، جو اسلام کو فنا کرنے پر تیار رہو، جو نو مسلمون کو ورغلاتا ہو، اس کی سزا اس سے زیادہ نرم اور مناسب کیا ہو سکتی ہے کہ اوس کو لڑ کر زیر کیا جائے، اور اپنا ماتحت بنایا جائے.

۵- ایسے لوگون کا ماتحت ہونا اور محصول (جزیہ) ادا کرنا، نہ صرف ان کے نقطۂ نظر بلکہ تمام دنیا کے نقطۂ خیال سے ذلت اور پستی کا مرادف ہے، خواہ حاکم ان کو ذلیل سمجھے یا نہ سمجھے،

۶- چونکہ یہ لوگ علانیہ اسلام کے دشمن تھے، اس لئے تہدیداً خدا نے فرمایا، کہ مسلمانون کو ان سے برابر لڑتے رہنا چاہیئے تا وقتیکہ یہ پست ہو کر محصول نہ ادا کرین،

۷۔ آیت مین دو لفظ ہین جن سے صغار کا مفہوم پیدا کیا جاتا ہے، عن ید اور صاغرون

۸۔ عن ید کا مطلب بعض لوگون نے یہ لیا ہے کہ اصالۃً جزیہ کی رقم ادا کرنی چاہئے، وکالۃً داخل نہین ہوسکتی لیکن یہ خود مختلف فیہ مسئلہ ہے، فقہ کی متعدد کتابون مین اس کی تصریح آئی ہے کہ اصالۃً حاضر ہونا ضروری نہین، گو بہتر ہے[1]، اور آج بھی عدالتون، بنکون، اور ڈاکخانون مین روپیے کے کاروبار کے وقت اصالۃً موجود رہنا بہتر سمجھا جاتا ہے، خود اورنگ زیب کے زمانہ مین بھی اصالۃً حاضری ضروری نہ تھی، چنانچہ ۱۰۶۹ھ مطابق سنہ ۲ جلوسی مین چتوڑ کے رانا نے جب اس شرط پر صلح کی کہ

"قبول جزیہ بجدا فرودن دو سہ پرگنہ عوض زرِ جزیہ از ملک خود"[2]

تو اس شرط کو قبول کیا گیا، حالانکہ اگر اصالۃً زرِ جزیہ لے کر حاضر ہونا ضروری ہوتا، تو نہ پرگنے اس کا عوض ہوسکتے تھے، اور نہ اپنی ریاست کے پایہ تخت مین موجود رہنا کافی ہوسکتا تھا،

۹۔ عن ید کے اور بھی معنی ہین، امام ابن العربی (۵۴۳ھ) نے احکام القرآن مین چند دو قول نقل کئے ہین جن کا ماحصل یہ ہے کہ ید کے حقیقی معنی مراد لئے جائین یا مجازی، اگر حقیقی معنی مراد ہون، تو اصالۃً زرِ جزیہ لے کر حاضر ہونا ضروری ہے، اور اگر مجازی معنی لئے جائین، تو بہت سی صورتین ہوسکتی ہین، چنانچہ اس دوسری صورت مین ید کے حسب ذیل معنی بھی ہوسکتے ہین، ہاتھون ہاتھ (یعنی دینے والا اپنے ہاتھ سے حاکم جزیہ کے ہاتھ مین دے، خواہ اصالۃً خواہ وکالۃً) نقد ادا کرے (زرِ جزیہ کو باقی نہین رکھنا چاہئے) بلا ستائش وطلب (ادا کرے) وغیرہ (ص ۳۰۷ ج ۱ مصر) غرض ان مین سے جو صورت بھی لے لی جائے، صغار (ذلت) کا کوئی پہلو پیدا نہین ہوتا،

۱۰۔ صاغرون کا لفظ البتہ صغار کو صاف صاف بتاتا ہے، لیکن صغار کی کیا صورت ہو؟ اس مین فقہاء مختلف الرائے ہین، بعض نے اس کی یہ شکل تجویز کی ہے، کہ غیر مسلم جزیہ کے دفتر مین جائے، اور

---

[1] ہدایہ ص ۳۰۸ جلد ۲، [2] منتخب اللباب ج ۲ ص ۶۴، مصنفہ خافی خان نظام الملکی،



کھڑے ہوکر اپنی رقم داخل کرے، لیکن کھڑا رہنا ذلت کی بات نہین، آج عدالتون، بنکون اور ڈاکخانون مین عموماً کاروباری آدمی کھڑے ہی رہتے ہین، کیونکہ بیٹھنے کا انتظام نہ ہوتا ہے، اور نہ ہوسکتا ہے، مسلمانون کی سلطنت مین اگر دفاتر جزیہ مین کھڑے ہوکر رقم داخل کرنا غیر مسلمون کے لئے ضروری تھا، تو معترضین کو اس کے بالمقابل یہ بھی دکھانا چاہئے، کہ مسلمانون کی نشست کا انتظام زکوٰۃ کے دفاتر مین ہوتا تھا! بعض کا قول ہے کہ حاکم جزیہ، ذمی سے کہے، "او ذمی! جزیہ دے،" اس قول کو سرجدو ناتھ نے اپنی تاریخ (ص ۲۶۹ ج ۳) مین بڑے آب و تاب سے نقل کیا ہے، اور دکھایا ہے کہ اسلامی فقہ کے رو سے وصول جزیہ کا بھی ذلیل طریقہ تھا، لیکن یہ کہین نہین دکھایا ہے کہ اورنگ زیب کے زمانہ مین اسی طرح جزیہ وصول بھی کیا جاتا تھا، فقہ کی کتابون مین لکھا ہونا اور بات ہے، اور اس پر عمل ہونا اور بات، اس موقع پر علامہ ابو حیان غرناطی (۷۴۵ھ) کی عبارت غور سے پڑھنے کے قابل ہے، وہ البحر المحیط (ص ۲۹ جلد ۵) مین لکھتے ہین کہ لوگون نے ذلت کی جو صورتین لکھی ہین، ان مین آیۂ قرآنی مین ایک کا بھی تذکرہ نہین، اسی طرح امام ابن قیم (۷۵۱ھ) کی یہ رائے قابلِ توجہ ہے،

| | |
|---|---|
| وَھٰذَا کُلُّہٗ مِمَّا لَا دلیل علیہ | یہ تمام باتین بے دلیل ہین، اور آیت |
| وَلَا ھُوَ مقتضی الآیۃ ولا نقل | ان کو نہین چاہتی، اور نہ رسول اللہ |
| عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا | صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے یہ باتین |
| اصحابہ (فتح البیان ص ۹۲ جلد ۴) | منقول ہین، |

علامہ شربینی کا وہ قول بھی دیکھنا چاہئے جس مین انھون نے تصریح کی ہے کہ اہانت کی یہ صورت غلط ہے اور اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدین کے زمانہ مین کوئی ثبوت نہین ملتا، نواب صدیق حسن خان بھی لکھتے ہین کہ "ان چیزون کی کوئی دلیل نہین ہے" (فتح البیان ص ۹۲ ج ۴)

بعض نے صغار کے زیادہ مناسب معنی بیان کئے ہین، یعنی جزیہ دینا خود ذلت ہے، اس بنا پر

غیر مسلمون کے لئے ذلت کی شکلین پیدا کرنے کی ضرورت نہین ہے ) یہ امر کہ محکومی اور غیر قوم کی اطاعت ذلت ہے، ریاستہائے متحدہ امریکہ آسٹریلیا، آئرلینڈ اور اُن کے سیاسی رہنماؤن سے دریافت کرنا چاہئے،

بہرحال طبری (۳۱۰ھ) محی السنۃ بغوی (۵۱۶ھ) اور امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) نے اپنی تفسیرون مین یہ خیال بھی نقل کیا ہے،

امام شافعیؒ کا قول ہے کہ صغار یہ ہے کہ اسلامی قانون (معاملات کے متعلق) اُن پر عائد ہو تا رہے، یعنی وہ مذہبی مسائل کے علاوہ دنیاوی باتون مین قانون اسلامی کی پابندی کرتے ہین، یہ خیال جو دنیائے اسلام کے ایک بڑے امام کا ہے، تمام خیالون سے زیادہ صحیح ہے، اور محی السنۃ بغوی نے معالم التنزیل (ص ۹۰ ج ۲) مین امام ابن مکرم (۷۱۱ھ) نے لسان العرب (ص ۱۲۹ ج ۲) مین اور شربینی نے (۹۹۰ھ) نے سراج المنیر مین اسی کو نقل کیا ہے، تیسرے اور چوتھے نظریون کے مطابق صغار کا مفہوم محض ذہنی اور خیالی رہ جاتا ہے، اور اس کا تعلق مسلمان حکام سے باقی نہین رہتا، اب ان تمام مباحث کا حاصل یہ ہوا کہ

(۱) قرآن مجید کے رو سے صغار کے مستحق تمام غیر مسلم نہین ہین، بلکہ وہ مخصوص اہل کتاب ہین جو اسلام اور مسلمانون کے دشمن تھے، اور جن سے لڑائی کا حکم دیا گیا تھا،

(۲) اور غیر مسلم اس لئے جزیہ دیتے تھے کہ ان کے محصول کا یہی نام تھا، اور کوئی نیا نام رکھا نہین گیا تھا،

(۳) صغار کا لفظ قرآن مجید مین دشمنانِ اسلام کے لئے تہدیداً استعمال کیا گیا ہے اور اس پر خود عہد رسالت مین بھی عمل نہین ہوا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زجر و توبیخ ویسی ہی تھی جیسی کہ ماں باپ اپنی اولاد کو کرتے ہین، اس کا مقصد مسلمانون کے دلون مین غیر مسلمون کی طرف سے منتقمانہ جذبات کی پرورش نہ تھی،



(۴) جو غیر مسلم دشمنِ اسلام نہین ہین، اُن کے لئے صغار بھی نہین ہے،

(۵) صغار کا مطلب ذلیل برتاؤ نہین، بلکہ ماتحتی اور سیاسی معاملات مین اسلامی قانون کی پابندی ہے، معزز ماتحت بھی بہرحال ماتحت ہے، یعقوب بن لیث الصفار کا قول ہے کہ کتے چون تو با بدو ...[51]

اب ضرورت ہے کہ ہم جلد و ناتجربہ کار اور ہمارے معترض "ارسطو"[52] اس پر غور کرین کہ اسلامی عہد حکومت مین غیر مسلمون کے ساتھ کیا ذلیل برتاؤ کیا جاتا تھا !

**جزیہ کی شرح** ہندوستان کے جزیہ کی (جس کا تذکرہ منوسمرتی مین ہے) کوئی شرح منوجی نے مقرر نہین کی، بلکہ ہر شخص پر برابر محصول لگایا (باب ۷، دفعہ ۱۳۰) جو ظاہر ہے کہ بالکل خلاف انصاف تھا، نوشیروان کے فرمان مین رعایا کی مالی حالت کے اختلاف سے جزیہ بھی مختلف مقرر کیا گیا، یعنی ۱۲، ۸، ۶، ۴، درہم (طبری ص ۹۶۲ جلد ۲) لیکن اس مین سلطنت کے مختلف صوبہ جات کی اقتصادی حالت کو سامنے نہین رکھا گیا تھا، بلکہ امرا، متوسطین اور غربا، کی یکسان حالت تمام صوبون مین فرض کرلی گئی تھی اور یکسان جزیہ لگا دیا گیا تھا، اُس کے ساتھ ہی خواص و عوام کی نہایت ناگوار تفریق پیدا کی گئی تھی

لیکن اسلام مین معاشیات کا سوال ابتدا سے سامنے تھا، اس لئے مختلف ممالک کی اقتصادی حالت کے مطابق وہان کی رعایا پر جزیہ مقرر ہوا، اور اس کی مختلف شرحین قرار دی گئین، اہل یمن سے بحساب ایک دینار سالانہ، اہل شام سے ۴ دینار،[53] مکہ کے ایک نصرانی سے ایک دینار،[54] عراق کی رعایا

---

[51] زین الاخبار ص ۱۳ تالیف ابو سعید عبد الحئی گردیزی در حدود ۴۴۴ھ [52] اس مضمون مین ان تمام اعتراضات کو پیش نظر رکھا گیا ہے، جو جزیہ پر کئے جاتے ہین، عرصہ ہوا آریہ گزٹ لاہور مین "ارسطو" کے فرضی نام سے جزیہ کے خلاف ایک مضمون نکلا تھا، اس مضمون مین ارسطو کے اعتراضات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے [53] احکام القرآن ابن عربی ص ۳۷۷، جلد ۱،

[54] کتاب الخراج یحیی بن آدم ص ۷۳،

سے (بعض روایات کے مطابق) ۴۸ درہم سالانہ[1] اور عام ممالک وصوبہ جات سے ۱۲، ۲۴، ۴۸ درہم سالانہ فی کس جزیہ وصول کیا جاتا تھا، یہ آخری شرح جیسا کہ بالتصریح معلوم ہے حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ کے زمانہ میں برابر قائم رہی[2] اور امام ابو حنیفہؒ، امام محمد بن حسنؒ اور (بروایت مصنف فتح البیان) امام احمد بن حنبلؒ نے اسی کو اختیار کیا،[3] جزیہ کا عالمگیری فرمان اگرچہ مرآت احمدی (ص ۳۱۳ ج ۱) میں بلفظ منقول نہیں ہے لیکن سرجادو ناتھ سرکار نے اس کا خلاصہ نقل کیا ہے، اس کی دفعہ ۲ میں یہی شرح موجود ہے، جو ان کے نزدیک ایک ناقابل برداشت بوجھ ہے، جو غریبوں کے کاندھوں پر ڈالا گیا (اس کا جواب آگے آتا ہے)

معاشی حیثیت سے ایک اور اصول نو جزیہ کے متعلق اختیار کیا گیا ہے، قدیم ہندوستان میں محصول نقد کی شکل میں لیتے تھے، مثلاً روپیہ، دیہن، سنت مان، آتشک، ہن وغیرہ (منوسمرتی باب ۸، دفعات ۱۳۵ تا ۱۴۰) ایران میں بقول طبری درہم تھے، چین کا کچھ پتہ نہیں، لیکن اسلام میں ہر پیشہ والے کو یہ آزادی دی گئی ہے کہ وہ جزیہ کی نقد رقم کے بجائے اپنے اپنے پیشہ کی چیز کو دیسکتا ہے،[4] البتہ مردہ، سور اور شراب جزیہ کی رقم میں قبول نہیں کئے جائیں گے،[4] اس طرح جو سہولت غیر مسلم رعایا کو اسلامی سلطنت کے اندر میسر تھی، وہ دوسرے ممالک میں نہ تھی، اور نہ آج تک کسی ملک میں میسر ہے،

**جزیہ کون لوگ دیتے تھے** قدیم ہندوستان میں ہر شخص سے جزیہ لیا جاتا تھا، (منوسمرتی دفعہ ۱۳۷ باب ۷) جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے، ان کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا ہے، غیر مستطیع بھی کچھ نہ کچھ دیتے تھے (دفعہ ۴۰۵ باب ۸) جو لوگ محصول ادا کرنے کے قابل نہ تھے، وہ ہر مہینہ میں ایک دن بیگار میں پکڑے جاتے تھے، (دفعہ ۱۳۸ باب ۷) ایران میں اس سے کم سختی تھی، وہاں ۲۰ اور پچاس سال کے درمیان عمر والے مرد جزیہ دیتے تھے، اور عورتیں مستثنیٰ تھیں، چین میں اس سے بھی زیادہ سہولت تھی، وہاں صرف مردوں

---

[1] کتاب الخراج امام ابو یوسف ص ۷۰ [2] عینی شرح کنز ص ۳۲۰ ج ۱ [3] فتح البیان ص ۳۵ جلد ۴ [4] کتاب الخراج امام ابو یوسف صفحہ ۶۹



سے جزیہ لیا جاتا تھا جن کے لئے ۱۸ سے ۶۰ سال تک عمر کی شرط تھی،

اسلام میں ان تمام ممالک سے زیادہ جزیہ میں رعایت کی گئی، صرف عاقل بالغ اور کام کرنے کے قابل مردوں پر محصول لگایا گیا، اور کام کی حیثیت سے اُن کے ۳ طبقے قرار دیئے گئے،

۱۔ غنی جو دس ہزار درہم یا اس سے زیادہ کا مالک ہو،

۲۔ متوسط جو ۲۰۰ درہم سے دس ہزار تک کا مالک ہو،

۳۔ فقیر جو ۲۰۰ درہم سے کم کا مالک ہو، یا اس کی آمدنی ضروریات زندگی سے زائد نہ ہو،

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج (ص ۷۰) میں اس کی پوری تفصیل بیان کی ہے کہ صراف، بزاز، مالک جائداد، تاجر، مطب کرنے والے طبیب میں جو غنی اور متوسط ہوں، وہ اپنی آمدنی کے مطابق جزیہ ادا کریں، ہاتھ سے کام کرنے والے کاریگر، مثلاً خیاط، رنگریز، موچی وغیرہ تیسرے درجہ میں ہیں، وہ اس کی شرح کے مطابق محصول دیں، اس موقع پر سرجدو ناتھ نے بعض فقہاء کی رائے کے مطابق صرافوں وغیرہ کو پہلے درجہ میں اور خیاطوں وغیرہ کو تیسرے درجہ میں رکھکر درمیانی طبقہ کو غائب کر دیا ہے، (تاریخ عالمگیر ص ۲۶۹ ج ۳) حالانکہ امام ابو یوسف کی طرح اور فقہاء نے بھی صرافوں وغیرہ کے دو درجے قرار دیئے ہیں، غنی اور متوسط،

ایسے اپاہج، اندھے اور لنگڑے لولے جو متمول ہوں اور جن کا کاروبار اچھا چلتا ہو، اُن پر جزیہ ہے، اسی طرح دولت مند مقدس راہب اور پجاری بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں، (اورنگزیب کے عہد کے مالدار برہمن بھی اسی حکم میں آتے ہیں،)

**کون لوگ جزیہ نہیں دیتے تھے** قدیم ہندوستان میں صرف تین قسم کے لوگ جزیہ سے مستثنیٰ تھے، معذور، ستر برس کے بوڑھے اور برہمن، (منوسمرتی دفعہ ۳۹۴ باب ۸) ایران میں ۲۰ سال سے کم اور پچاس سال سے زیادہ عمر کے لوگ محصول ادا نہیں کرتے تھے، اُن کے علاوہ خاندان شاہی معززین

فوج، مذہبی پیشوا، دفاتر کے منشی، اور ملازمین سلطنت جزیہ کے مطالبہ سے آزاد تھے، چین میں عورتیں جزیہ نہیں دیتی تھیں، اور ۱۵ سال سے کم اور ۵۰ سال سے اوپر عمر والے مرد بھی مستثنیٰ قرار دئے گئے تھے،

اسلام نے عورتوں، بچوں، پاگلوں، غلاموں، محتاج اور از کار رفتہ بڈھوں، نادار راہبوں، اور بیکاروں (نادار برہمن اورنگ زیب کے زمانہ میں اسی حکم میں شامل تھے)، مفلس، اندھوں، اپاہجوں، اور لنگڑے لولوں کو محصول سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، اورنگ زیب نے عنایت اللہ خان مہتمم جزیہ کے نام ایک حکم بھیج کر غیر مسلم ملازمین سلطنت کو بھی جزیہ سے بری کیا تھا، مراٰت احمدی (ص ۲۹۸ ج ۱) میں یہ الفاظ ہیں،

"بندگان حضرت قدر قدرت عنایت اللہ خان را بتمشیت این کار تفویض فرمودند حکم اشرف اعلیٰ شرف صدور یافت کہ از ملازمان سرکار بدولت مدار مواخذہ نکنند، وسوائے آن از جمیع ذمیان مطابق شرع شریف بگیرند،"

تعجب ہو کہ ہمارے ارسطو صاحب کی نظر اس نکتہ اور اس عبارت پر نہیں پڑی، ورنہ وہ یہ تکلیف نہ فرماتے، کہ ۱۰۹۰ھ میں اورنگ زیب نے حکم دیا کہ جزیہ سب سے وصول کیا جائے خواہ اسلامی ہندوستان ہو یا راجپوتانہ کوئی سرکاری ملازم ہو یا نہ" (آریہ گزٹ)

**جزیہ کے مصارف**

معارف عامہ کا بنیادی اصول بہبود عامہ ہے، اور اسلام میں جزیہ کے مصارف کو مختلف مدوں میں اس طرح تقسیم کیا گیا ہے، کہ عوام کو ہر مد کے مصارف سے بیشتر میں فائدہ حاصل ہوتا تھا،

۱- معارف عامہ کی سب سے پہلی اور ضروری مد فوجی انتظام ہے، اور یہ اسی جزیہ کی رقم سے ہوتا تھا امام ابو یوسف نے حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے[1]

[1] کتاب الخراج ص ۸۰



واضع علیھم فیھا الخراج و فی رقابھم الجزیۃ یؤدونھا فتکون فیئاً للمسلمین المقاتلۃ والذریۃ ولمن یاتی من بعدھم،

اور میں ان (ذمیوں) پر زمین میں خراج اور ان کی گردنوں میں جزیہ مقرر کرتا ہوں جس کو وہ ادا کریں گے اور جو مسلمان فوج اور اس کی اولاد اور آئندہ آنے والوں کے لئے فئے (غنیمت) ہوگا،

یہ فوج سرحدوں کے علاوہ بڑی بڑی چھاؤنیوں (مثلاً شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ، مصر) میں بھی رہتی تھی، جس کا اسی تقریر میں ذکر ہے، اور یہ سب فوجی وظیفہ دار تھے، خلیفہ کا فقرہ ہے وادر دار العطاء علیھم، اور مبسوط (ص ۸۰، ج ۱۰) میں بھی ہے،

فیوخذ منھم المال لیصرف الی الغزاۃ الذین یقومون بنصرۃ الدار

یعنی ذمیوں سے جو وصول ہوگا، وہ ان غازیوں کو ملے گا، جو دار الاسلام کی حفاظت کرتے ہیں،

(۲) ایک مد تحصیل کے اخراجات کی تھی، اس سے عمال کو تنخواہ ملتی تھی، مصنف کنز الدقائق (۷۱۰ھ) اور صاحب درمختار نے اس کی تصریح کی ہے،

(۳) سول یا دیوانی محکموں کی تنخواہوں اور اخراجات کی مدیں بہت سی مدیں شامل تھیں، مثلاً امور نافعہ (پبلک ورکس) میں پتھر کے پلوں (قناطر) اور لکڑی اور مٹی کے پلوں (جسور) کی تعمیر کا کام اسی مد سے ہوتا تھا، (کنز و در مختار)

محکمۂ عدالت میں قاضیوں اور مفتیوں کی تنخواہیں، (کنز و در مختار) دفاتر قضا کے محرروں اور تقسیم کے گواہوں کے معاوضہ (کنز و در مختار) اسی سے ادا کئے جاتے تھے،

بنادر کی نگرانی کرنے والے اسی رقم سے تنخواہ پاتے تھے، (کنز و در مختار)

تعلیمات میں علماء اور طلبہ کے وظائف اسی سے نکالے جاتے تھے، (در مختار ردِ مختار ص ۳۰۴ جلد ۳)

۴. مسلمانوں کے علاوہ خود ذمیوں کے ایسے افراد کو جو قابلِ امداد ہو جاتے تھے، اسی سے مدد دی جاتی تھی حضرت خالد بن الولیدؓ نے حیرہ والوں کو جو فرمان عطا کیا، اس میں یہ الفاظ درج تھے[۱]

| | |
|---|---|
| ایما شیخ ضعف عن العمل او | اور جو بوڑھا کام کرنے میں کمزور ہو یا اُس پر |
| اصابته آفة من الآفات او | کوئی آفت آگئی ہو، یا مالدار ہونے کے بعد |
| کان غنیا فافتقر وصار اهل | محتاج ہو گیا ہو، اور اُس کے مذہب والے |
| دینه یتصدقون علیه طرحت | اُس کو خیرات دینے لگے ہوں، تو اس کا |
| جزیته وعیل من بیت المال | جزیہ معاف کیا جائے، اور مسلمانوں کے |
| المسلمین وعیاله ما اقام | بیت المال سے اس کو اور اس کے بچوں |
| بدار الهجرة ودار الاسلام | کو اس وقت تک دیا جائے جب تک وہ دار الہجرۃ اور دار الاسلام میں مقیم رہے |

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں اور مقامات کے معذور بوڑھوں کے لئے بھی یہ عام قاعدہ بنا دیا گیا تھا، انہوں نے ایک دفعہ ایک بوڑھے نابینا یہودی کو ایک دروازہ پر بھیک مانگتے دیکھا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ جزیہ کی رقم اور دوسری ضروریات کے لئے بھیک مانگ رہا ہے، حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اُس کا اور اُس کے جیسے تمام بوڑھوں کا جزیہ معاف کر دیا جائے[۲]

**اسلامی اور غیر اسلامی جزیوں کا فرق**

(۱) اسلامی اور غیر اسلامی محصولوں میں نمایاں فرق یہ ہے کہ اسلام نے ربانی ذمہ داری کی بنا پر دنیا کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لیا تھا، اس لئے وہاں محصول کا اصل مقصد روپیہ نہ تھا، شمس الائمہ سرخسی (متوفی ۴۸۳ھ) نے مبسوط (ص ۷۸، ۸۲، ج ۱۰) میں جا بجا اس کا تذکرہ کیا ہے، اور ذمیوں کی بقایا رقم (موانید) کے معاف کر دینے کی وجہ بھی یہ بتلائی ہے کہ جزیہ کے ذریعہ مال جمع کرنا

---

۱ کتاب الخراج ص ۸۵، ۲ ایضاً ص ۷۲



مقصود نہیں ہے، بخلاف اس کے دوسرے ممالک اور اقوام میں محصول کے متعلق ہر زمانہ میں بھو کی ہیبت کی گرج سنائی دی ہے، جس نے غرباء کی جبین خالی کر کے امراء کے عیش و عشرت کا سامان مہیا کیا ہے، اور اسی طرح اس بے زبان طبقہ کی سادہ مزاجی اور بھولے پن سے فائدہ اٹھاتی رہی ہے، منوسمرتی باب ۷ دفعہ ۱۲۹ و ۱۳۰ اور باب ۸ دفعہ ۵ بہ خاص طور سے اس سلسلہ میں قابلِ ملاحظہ ہیں،

(۲) دوسرا عظیم الشان فرق اس سیاسی تخیل کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، جو مسلمان اور غیر مسلموں کے اندر "سلطنت" کے متعلق تھا، مسلمانوں نے "نظریۂ تولیت" (Trustee Ship) کا صحیح مفہوم سمجھ کر اپنے کو اس کا پورا عامل بنایا تھا، وہ اپنے کو ملک کا مالک نہیں، بلکہ متولی سمجھتے تھے[۱] اس لئے انہوں نے محصول رعایا کی مالی حالت کے مطابق لگایا، جس سے اس کی خوشحالی میں فرق نہ آئے، اور ملک کی سرسبزی قائم رہے، بخلاف اس کے دوسری قوموں نے اپنے کو ملک کا متولی نہیں بلکہ مالک سمجھا تھا، اس لئے انہوں نے رعایا کی مالی حالت کے بجائے دوسرے اصول پر محصول متعین کئے، چنانچہ قدیم ہندوستان کے قانون منوسمرتی (باب ۷، دفعہ ۳۹) میں راجہ کو بالتصریح مالک کہا گیا ہے، اور اسی بنا پر یہاں محصول بمعیار خدمات کی ایک شق "مساوات" کا اصول پیش نظر رکھا گیا تھا، جس کا مطلب یہ ہے کہ محصول سرکاری خدمات کا معاوضہ ہے، لیکن چونکہ سرکاری خدمات کا تخمینہ انفرادی طور پر ناممکن ہے، اور ان خدمات سے تمام ملک مستفید ہوتا ہے، اس لئے محصول بلا امتیاز بمقدار مساوی قائم ہونا چاہئے، منوسمرتی (باب ۸ دفعہ ۱۲۸) کا حکم اس بارہ میں نہایت صریح اور صاف ہے، لیکن اس اصول میں معاشی حیثیت سے چند نقائص ہیں، یہ مانا کہ خدماتِ منفردہ کا تخمینہ ممکن نہ سہی، تاہم اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا، کہ سب

---

۱ صحیح بخاری (کتاب الاعتصام باب یکره من التعمق) میں حضرت ابوبکرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے، انا ولی رسول الله صلى الله عليه وسلم پھر حضرت عمرؓ کا یہ قول لکھا ہے، انا ولی رسول الله صلعم وابی بکر، اور مبسوط (ص ۸۱، ج ۱۰) میں ہے، وقولنا دار الاسلام نسبة للولاية،

لوگ سرکاری خدمات سے یکسان مستفید نہین ہو سکتے، اور بالعموم دولتمندون کو غربا، کے مقابلہ مین بہت زیادہ فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا ہے، پھر جب غربا کو اپنا اور اپنی اولاد کا پیٹ پالنا بھی دشوار ہو رہا ہو، اور بسر اوقات کے لئے دوسرون کی فیاضی کے دست نگر ہون تو اُن سے ٹکس طلب کرنا کہان تک قرین انصاف اور وصول کرنا کہان تک ممکن ہے، ؟ اس لئے مساوی ٹکس کا یقینی نتیجہ خود ملک کی تباہی و بربادی ہے[۱]

ایران مین مساوات کے بجائے سرکاری خدمات کی انفرادی حیثیت پر نظر رکھی گئی، جس طرح مزدور کو محنت کی اُجرت دیجاتی ہے ٹکس بھی سرکار کی خدمت کا معاوضہ ہے، اس لئے جو سرکار سے جتنی خدمت لے اسی کے مطابق معاوضہ بشکل ٹیکس ادا کرے، اسی بنا پر ایران مین ۱۲-۸-۶-۴ درہم کی شرح سے مختلف حیثیتون کے لوگون پر جزیہ مقرر ہوا، اور وہ لوگ جو سرکار کے مفہوم کی "وسعت" مین آتے تھے، شاہی اونچے گھرانے، معززین، فوج، مذہبی پیشوا، منشی، اور سلطنت کے ملازم جزیہ سے مستثنی کردئے گئے لیکن عوام میں جو سرکار کے مفہوم مین شامل نہ تھین، قدیم ہندوستان کی طرح ایران مین بھی جزیہ ادا کرتی تھین، معاشی حیثیت سے اس اصول مین بھی متعدد خامیان ہین، سب سے ناگوار چیز تو وہ تفریق ہے، جو اونچے گھرانون اور عوام مین رکھی گئی ہے، حالانکہ محصول کو "فرقہ واری" سے کوئی تعلق نہ ہونا چاہئے (اسلام مین زکوۃ خود خلیفہ کو بھی ادا کرنی پڑتی ہے)، دوسرے سرکاری خدمات اس قدر بے شمار اور اُن کے نتائج اس قدر گوناگون ہین، کہ ان مین کسی شخص کے حصہ کا تخمینہ کرنا بالکل محال ہے، پیڑون، فوج، ان حکام کی تنخواہون، شہر کی صفائی، سڑکون کی درستی، واٹر ورکس، غرض لوکل یا امپیریل محصولون سے ہر شخص کو جو فائدہ پہونچتا ہے، اس کا جداگانہ تخمینہ کیونکر ممکن ہے؟ اور پھر جو ٹیکس ان مصارف کے طلب کیا جائے، وہ سرکاری خدمات منفردہ کے مساوی کیونکر مقرر ہو سکتا ہے؟؛

[۱] اصول معاشیات برنی ص ۲۹۰، ۲۹۹،



**کیا شرح جزیہ مین ایران کی تقلید کی گئی ہے**

یہ ایک نہایت اہم سوال ہے، علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے الفاروق (ص ۱۶۷، ج ۲) نیز اپنے مضامین الجزیہ اور غیر قومون کی مشابہت (مقالات شبلی ج ۱ ص ۲۳۰، ۱۶۷) مین صاف صاف لکھا ہے، کہ حضرت عمرؓ نے نوشیروانی قواعد جاری کئے تھے، اس سلسلہ مین انھون نے ابوحنیفہ دینوری اور شاہ ولی اللہ صاحب کا نام بھی لیا ہے، اور اصلی ماخذ طبری کو قرار دیا ہے، جس نے یہ الفاظ لکھے ہین،

| | |
|---|---|
| وهي الوضائع التي اقتدى بها | اور یہ وہی شرحین ہین جن کی عمر بن |
| عمر بن الخطاب حين افتتح بلاد | الخطاب نے پیروی کی، جب انھون نے |
| الفرس وامر باجتباء اهل الذمة | فارس کے شہر فتح کئے، اور انھون نے اہل |
| عليها | ذمہ سے انہی (شرحون) کے مطابق وصول |
| (طبری ص ۹۶۲ ج ۲) | کرنے کا حکم دیا، |

شاہ ولی اللہ صاحب طبری سے متاخر ہین، اس لئے اُن کی رائے عین طبری کی رائے ہو سکتی ہے، تاہم وہ بھی حضرت عمرؓ کا نام لینے مین تامل کرتے ہین، ابوحنیفہ دینوری (۲۸۲ھ) البتہ طبری سے مقدم ہین، لیکن انھون نے اس کا ذکر ہی نہین کیا ہے، اب رہے، امام طبری (۳۱۰ھ) تو ان کے متعلق حسب ذیل امور قابل لحاظ ہین،

(۱) امام ابویوسف (۱۸۲ھ) نے جہان جزیہ کی شرح بیان کی ہے، حضرت عمرؓ کی تقلید کا ذکر نہین کیا ہے،

(۲) امام موصوف نے کتاب الخراج (ص ۴۹) مین یہ بھی لکھا ہے کہ عراق فتح ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے وہان کے بعض زمیندارون کو بلایا، اور پوچھا کہ زمین کا محصول تم عجمیون کو کیا ادا کرتے تھے، ؟ انھون نے کہا، ۲۷، فرمایا مین اس پر راضی نہ ہون گا،

۳- امام یحییٰ بن آدم (سـ۲۰۳ھ) بھی تقلید کے ذکر سے ساکت ہین،

۴- امام طبری (سـ۳۱۰ھ) نے آگے چل کر جو عبارت لکھی ہے وہ تمام کتب فقہ اور تاریخ کے خلاف ہے، وہ لکھتے ہین،

ولم یخالف عمرؓ بالعراق خاصة وضائع کسریٰ علی جربان الارض وعلی النخل والزیتون والجماجم (ص ۹۶۳)

اور عمرؓ نے خاص کر عراق مین کسریٰ کی اُن شرحون کی مخالفت نہین کی جو اُس نے زمین کی جریبون اور کھجور، اور زیتون اور سرون پر مقرر کی تھین،

(الف) اس عبارت کی رو سے فیسون کے طبقات چار ہونے چاہئین کیونکہ چار شرحین طبری نے مقرر کی تھین (طبری جلد ۲ ص ۹۶۳)

(ب) شرح ۱۲- ۸، ۶، ۴، درہم ہونی چاہئے،

حالانکہ اسلام نے ۳ طبقے قرار دیئے ہین، اسی طرح ۴۸، ۲۴، ۱۲ درہم شرح رکھی ہے، اور اس کے حوالے اوپر آچکے ہین،

(۵) طبری نے اقساط کا جو طریقہ لکھا ہے، مسلمانون کا طرزِ عمل اُس کے خلاف شہادت دیتا ہے کیونکہ وہ عموماً سالانہ جزیہ وصول کرتے تھے،

(۶) طبری کی روایت کے مطابق کسریٰ نے خاندانِ شاہی، معززین، فوج، مذہبی پیشوا، اور ملازمینِ سلطنت کو جزیہ سے مستثنیٰ کیا تھا، حالانکہ حضرت عمرؓ نے ایسا نہین کیا،

(۷) شمس الائمہ سرخسی (سـ۴۸۳ھ) نے مبسوط (ص ۸، ج ۱۰) مین لکھا ہے کہ جزیہ کی مقدار کا علم حضرت عمرؓ کی حدیث سے ہوا ہے، اور وہی اصل ہے، انھون نے مردون پر ٹیکس ۱۲ درہم اور ۲۴ درہم اور ۴۸ درہم مقرر کئے، اور مقدار رائے سے مقرر نہین ہوتی، اس سے ہم نے سمجھا کہ انھون (حضرت عمرؓ) نے رسول اللہ صلعم سے سماعت پر اعتبار کیا ہوگا، (یعنی انھون نے خود یا کسی اور صحابی نے رسول اللہ صلعم سے



سنا ہوگا،) تو ہم نے اُس کو لے لیا،

(۸) عموماً مفسرین اور فقہاء تقلید کے ذکر سے خاموش ہین،

اب ایک طرف یہ تمام قدماء اسلام ہین جن کی کتابون مین نوشیروان کی پیروی کا ذکر تک نہین ہے، اور دوسری طرف مولانا شبلی ہین جن کو طبری کی روایت پر اس قدر اصرار ہے کہ وہ جزیہ کے اختلافِ شرح کو بھی نوشیروانی پیروی کی طرف منسوب کر دینا چاہتے ہین، حالانکہ محصول اور اس کی مختلف شرحین مقرر کرنا نوشیروان کا کوئی تنہا امتیاز نہ تھا، یہ تو معمولی سی بات ہے، اور ہر مدبر اس کو سوچ سکتا ہے،

جزیہ اور سیاسیات

اب تک جزیہ کے متعلق جو گفتگو کی گئی، وہ قانونی (فقہی) اور کسی حد تک تاریخی پہلو لئے ہوے ہوئی تھی، لیکن اب یہ دکھایا جائے گا، کہ پالٹیکس مین اس کی کیا حیثیت ہے؟

(۱) اوپر جزیہ کے متعلق فقہاء کے جو سات نظریات بیان کئے گئے ہین، اُن سب کا قدرِ مشترک یہ نکلتا ہے کہ وہ ایک محصول ہے اور محصول کی تعریف بیسٹیبل (Bastable.) نے اپنی کتاب "سرکاری مالیات" (Public Finance) مین اس طرح کی ہے[۵]،

"محصول (Tax) کسی شخص یا جماعت کی دولت کا وہ حصہ ہے جو بلا لحاظ اس کی رضامندی یا ناراضگی کے سرکاری اغراض کے لئے حاصل کیا جاتا ہے"،

پروفیسر محمد الیاس برنی ایم اے، ال ال بی نے اصولِ معاشیات (ص ۲۹۶) مین اس تعریف کو یون واضح کیا ہے،

"ٹیکس سے مراد دولت کا وہ حصہ ہے جو لوگ غیر اختیاری طور پر سرکار کو مصارفِ حکومت کے واسطے ادا کرین"،

پھر اسی کتاب اور اپنی دوسری تصنیف علم المعیشت مین اس تعریف کے بعض الفاظ کو غور طلب قرار

---

[۵] معاشیات ص ۳۵۲ مصنفہ مولوی حبیب الرحمٰن ایم اے ایل ایل بی جامعہ عثمانیہ،

دیا ہے، جن مین ایک لفظ دولت بھی ہے وہ اس لفظ کے متعلق لکھتے ہین،

اصطلاح "دولت" اپنے وسیع معنون مین استعمال کی گئی ہے، گویا مال و جائداد کے علاوہ "خدمات" بھی اس مین شامل ہین، چنانچہ بیگار بھی ایک ناپسندیدہ قسم کا ٹکس ہے،

لفظ "دولت" کی اس وسعت کو سمجھنے کے بعد جزیہ کے متعلق ایک بڑا مغالطہ دور ہو جاتا ہے، علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے "الفاروق" (ص ۱۰۷ جلد ۲) مین جہان جزیہ کی بحث لکھی ہے، اس کو حفاظت کا معاوضہ قرار دے کر، تاریخ سے چند تائیدی دلائل بھی تحریر فرمائے ہین، اسی سلسلہ مین لکھتے ہین:-

"اس سے بھی زیادہ قطعی شہادت یہ ہے کہ جن لوگون سے کبھی کسی قسم کی فوجی خدمت لی گئی، اُن کو باوجود اُن کے مذہب پر قائم رہنے کے جزیہ معاف کر دیا"

پھر شواہد مین ۱۷ھ اور ۲۲ھ مین عراق، آذربائیجان، آرمینیہ، اور جرجان کے غیر مسلمون سے جو معاہدے ہوئے تھے، اُن کو نقل کیا ہے،

لیکن "معاشیات" مین دولت کا لفظ جن عام معنی مین استعمال ہوتا ہے، اگر ان کو سامنے رکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے، کہ ذمیون کی جنگی خدمت بھی "دولت" کے وسیع مفہوم کے اندر داخل تھی، اس لئے اپنی جان کو لڑائی کے لئے پیش کرنا، گویا زرِ جزیہ کو نقدی صورت مین ادا کرنا تھا، اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ جزیہ معاف نہین کیا گیا، بلکہ دوسری شکل مین وصول یا قبول کیا گیا،

حقیقت یہ ہو کہ جو سلطنت کسی ملک پر سیاسی حیثیت سے تسلط حاصل کرتی ہے وہ قانوناً اس کی مجاز ہے کہ بروقت ضرورت رعایا سے جانی اور مالی خدمات کا مطالبہ کرے، مسلمانون کی ابتدائی سلطنت (خلافتِ راشدہ) جو آج کل کے اعلیٰ ترین جمہوری طرزِ حکومت "منفقیہ" سے بدرجہا بہتر تھی، اس نے بھی اپنی رعایا سے دونون قسم کی خدمتین لین،

۱- ابتداءً جیسا کہ ہر قوم مین ہوتا ہے، صرف مسلمان فوج مین شامل تھے، ۱۷ھ مین جب غیر مسلمون



کا اس کو اعتماد حاصل ہو گیا، تو اُن کو بھی فوج مین شرکت کی اجازت مل گئی، جو حفاظت سلطنت کے لئے جانی امداد تھی؟

۲- مالی امداد مصارفِ حکومت کے لئے تھی، جس کو مسلمان بشکل زکوۃ اور غیر مسلم بصورتِ جزیہ دیتے تھے، اس کو فوجی خدمت سے کچھ واسطہ نہ تھا، جس طرح صاحبِ نصاب مسلمان فوجی خدمت کی وجہ سے زکوۃ سے مستثنیٰ نہین ہوتے تھے، مستطیع غیر مسلمون کا جزیہ بھی معاف نہین کیا جاتا تھا؟ خلافتِ راشدہ کے بعد شخصی سلطنتون مین بھی یہ نکتہ ہمیشہ ملحوظِ خاطر رہا ہے، چنانچہ سلطنتِ مغلیہ مین برابر راجپوتون کی فوج رہتی تھی، اور خود وہ شہنشاہ (اورنگ زیب) جس پر ارسطو نے اعتراضات کئے ہین، راجپوتون کو فوج مین بھرتی کرتا تھا، اُن سے فوجی خدمت لینے کے باوجود جزیہ بھی لیتا تھا، چنانچہ ہمارا معترض حیرت سے لکھتا ہے،

"مگر چلو ہم ایک لمحہ کے لئے یہ فرض کر لیتے ہین کہ یہ فوجی خدمت کا معاوضہ تھا، جو غیر مسلمون سے لیا جاتا تھا، تو اُن ہندوؤن سے جزیہ کا وصول کرنا کسی طرح بھی جائز نہ تھا، جو فوج مین ملازم تھے، پھر اورنگ زیب کا دسط ہند اور راجپوتانہ کے راجپوت راجاؤن سے جزیہ وصول کر لینا کیسے درست ہو سکتا ہے"...... پھر فوج کے ساتھ امیر جزیہ مقرر کئے گئے تھے، جو جزیہ وصول کرتے تھے، ۱۲ر جولائی ۱۷۰۲ء (۱۱۱۴ھ) کا اعلان اُن فوجی امیرون کا ذکر کرتا ہے، اس کا صاف مطلب ہو کہ فوج مین ہندوؤن سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا، ورنہ فوج مین اُن کی موجودگی کی اور کیا تاویل ہو سکتی ہے، پھر دوسری طرف کوئی ایسا حکم نہین جس مین فوجی ملازم ہندوؤن کو جزیہ کی ادائگی سے مستثنیٰ کیا گیا ہو، یہ صرف معمولی فوجی ملازمون سے ہی وصول نہین ہوتا تھا، بلکہ ہندو افسر تک اس حکم سے باہر نہ تھے" (آویہ گزٹ)

لیکن معترض کی حیرت کا اصلی سبب علامہ شبلی مرحوم کا یہ خیال ہے کہ جزیہ صرف جنگی خدمت کا معاوضہ تھا، اور گو تاریخی واقعات سے انھون نے اس کی تائید بھی کر دی ہے لیکن جزیہ کی سیاسی

حیثیت پر اس کی نظر نہین گئی تھی، اسی لئے جزیہ کو فوجی خدمت کا معاوضہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہین،

"اس لحاظ سے کل مسلمان فوجی خدمت رکھتے تھے، اور ضرور تھا کہ وہ جزیہ سے اسی طرح بری رہین جس طرح نوشیروان عادل نے عموماً اہلِ فوج کو اس (جزیہ) سے بری رکھا تھا، لیکن غیر مذہب والے جو اسلامی حکومت کے ماتحت تھے، اور جن کی حفاظت مسلمانون کو کرنی پڑتی تھی، ان کو فوجی خدمت پر مجبور کرنے کا اسلام کو کوئی حق نہ تھا، نہ وہ لوگ ایسی پرخطر خدمت کے لئے راضی ہو سکتے تھے، اس لئے ضرور تھا کہ وہ اپنی محافظت کیلئے کوئی معاوضہ دین، اسی معاوضہ کا نام جزیہ تھا، (ص ۲۳۱، ۲۳۲)

لیکن اوپر سیاسی حیثیت سے مسلمانون کے جس اصول اور عمل پر روشنی ڈالی گئی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فوجی خدمت اور مالی امداد بالکل دو جداگانہ چیزین تھین، مولانا نے یہ تو لکھا ہے کہ مسلمانون کو جزیہ سے مستثنیٰ ہونا چاہئے تھا، لیکن یہ نہین بتلایا ہے کہ اُن سے زکوٰۃ کا مطالبہ ہوتا تھا، مسلمانون کا محصول جزیہ نہ تھا، بلکہ زکوٰۃ تھی، اور جب وہ فوجی خدمت کے صلہ مین زکوٰۃ سے مستثنیٰ نہین کئے گئے، تو غیر مسلم فوج مین رہ کر جزیہ سے کیون کر مستثنیٰ ہو سکتے تھے؟ پھر یہ بھی صحیح نہین ہے کہ غیر مسلمون سے فوجی خدمت لینے کا اسلام کو کوئی حق نہ تھا، ہر سلطنت کو اپنی رعایا سے فوجی خدمت لینے کا حق حاصل ہے، اور اسلامی سلطنت کو تو بدرجۂ اولیٰ یہ حق حاصل تھا، کیونکہ اولاً تو وہ مسلم اور غیر مسلم کی نارو اتفریق پسند نہین کرتی تھی، دوسرے زمین کا مالک اُس نے عام طور پر غیر مسلمون ہی کو بنا رکھا تھا،

رہا یہ امر کہ ابتدا مین غیر مسلم فوج مین کیون شریک نہین کئے گئے؟ اس کا سبب یہ تھا کہ غیر مسلم مفتوح تھے، جو مسلمانون کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور اپنی قومی سلطنت کو دوبارہ واپس لانے کا خیال ان کے دماغون مین موجزن رہتا تھا، اس بنا پر آغازِ فتح مین سیاسی حیثیت سے ان کو فوج مین بھرتی کرنا قرین مصلحت نہ تھا، البتہ جب عہدِ نبوت سے لے کر خلافتِ فاروقی تک اُن کو مسلمانون سے



سابقہ پڑا، جس مین اسلام کی عادلانہ حکومت کا سکہ اُن کے دلون پر بیٹھ گیا، اور انھون نے خود دشمنانِ اسلام سے نبرد آزما ہونے کی خواہش ظاہر کی، تو ۱۷ھ مین اُن کو اجازت دے دی گئی، اور معاشی نقطۂ نظر سے اُن کی اس فوجی خدمت کو جزیہ کا قائم مقام سمجھ لیا گیا، جو اُن کے ساتھ مزید رعایت تھی،

۲۔ تعینِ محصول کے سلسلہ مین "مساواتِ محصول" (Parity of Tax) کا اصول اختیار نہین کیا گیا، جس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ چونکہ سب کو سرکار سے یکسان آرام اور فائدہ پہنچتا ہے اس لئے سب لوگ برابر محصول دین، بلکہ جزیہ اشخاص کی مختلف قابلیتون اور حیثیتون کے مطابق مختلف نرخ سے مقرر ہوا، کیونکہ اصولِ "مساوات" سے غربا پر جس قدر ظلم ہو سکتا ہے محتاجِ بیان نہین، "مزید بران سیاسی لحاظ سے بھی یہ اصول ناقابلِ عمل ہے[1]"

۳۔ وردِ محصول (Incidence of Taxation) کی بنا پر محصول کی دو قسمین قرار دی گئی ہین (۱) یہ کہ ٹیکس کا ادا کنندہ (Payer of Tax) اور مورد (Subject of Tax) ایک ہی شخص ہو، یعنی جو دوسرون پر منتقل نہ ہو سکے، (۲) یہ کہ جس کے ادا کنندے اور مورد مختلف اور متعدد لوگ ہون، یعنی جو ادا کنندہ سے گذر کر بہت سے لوگون پر منقسم ہو جائے، اصطلاحاً اول کو ٹیکس بلاواسطہ (Direct Tax) اور دوم کو ٹیکس بالواسطہ (Indirect Tax) کہتے ہین[2]،

جزیہ بلاواسطہ ٹیکس (Direct Tax) ہے جس سے عام "سیاسی بیداری" پیدا ہوتی ہے، کیونکہ ٹیکس بلاواسطہ، لگان، سود، اجرت، یا ملک و جائداد مین سے براہ راست [illegible] اپنا حصہ نکالتا ہے، یہ ٹیکس "سیاسی تربیت" کا نہایت کارگر آلہ ہے، انسانی خاصہ ہے کہ جس کام مین کسی کا روپیہ لگتا ہے، اس سے

---

[1] معاشیاتِ ہند ص ۲۶۲، مصنفہ برج ناتھ بنرجی، مترجمہ مولوی الیاس برنی [2] اصولِ معاشیات ص ۳۰۰ مصنفہ مولوی الیاس برنی،

خواہ مخواہ تعلق اور دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے، چنانچہ بعض انجمنون مین تو علاوہ مالی امداد کے دلچسپی بڑھانے کی غرض سے بھی ممبرون سے چندہ طلب کیا جاتا ہے، جب لوگ جان بوجھ کر مصارفِ حکومت ادا کرتے ہین، تو ان کو سیاسی معاملات سے خود بخود تعلق زیادہ محسوس ہونے لگتا ہے، اور اس کا نتیجہ عام سیاسی بیداری ہوتا ہے"

(اصولِ معاشیات ص ۳۰۹)

اور واقعات شاہد ہین کہ جزیہ کے سبب سے ہمیشہ غیر مسلمون مین سیاسی بیداری قائم رہی ہے، گو کبھی کبھی اس کا ظہور مظاہرہ کی نامناسب شکل مین بھی ہوا ہے، جیسا کہ سرکار نے تاریخ اورنگ زیب" (ص ۲۷۱ ج ۳) مین اور علامہ شبلی مرحوم نے مضامینِ عالمگیر (ص ۴۰) مین دکھایا ہے،

جزیہ اور معاشیات | جزیہ کو معاشیات (Economics.) سے بڑا گہرا تعلق ہے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا (ص ۲۶۴ جلد ۲۶، طبع ۱۱) مین آدم اسمتھ (Adam Smith) کی کتاب "دولتِ اقوام" کے حوالے سے ٹکس کے حسب ذیل قوانین بیان کئے گئے ہین،

(۱) قانونِ معدلت: ہر مملکت کی رعایا کو چاہئے کہ جہانتک ممکن ہو سکے اپنی اپنی قابلیت کے تناسب سے یعنی اس آمدنی کے تناسب سے جو انھین مملکت کے زیرِ حفاظت اپنے اپنے طور پر حاصل ہوتی ہے، حکومت کے اخراجات مین شریک ہون،

(۲) قانونِ تیقن: جس ٹکس کا ادا کرنا ہر فرد پر لازمی ہو وہ بالکل باقاعدہ اور یقینی ہونا چاہئے، وقتِ ادائگی، طریقۂ ادائگی، مقدارِ ٹکس، یہ تمام امور نہ صرف ادا کرنے والے پر بلکہ دوسرے تمام اشخاص پر بھی واضح ہونے چاہئین،

(۳) قانونِ سہولت: ٹکس ایسے وقت پر اور اس طریقہ سے عائد کیا جائے جو ادا کرنے والے کے حق مین زیادہ سے زیادہ سہولت کا باعث ہو،

(۴) قانونِ کفایت: ہر ٹکس اس طور پر تجویز کیا جائے کہ اس کی بدولت جس قدر رقم سرکاری خزانہ مین داخل ہوتی ہے اس کے علاوہ حتی الوسع کم سے کم مزید رقم رعایا کی جیبون سے خارج ہو،...



ان چار کے علاوہ بعض مصنفین نے دو قانون اور بھی لکھے ہین،

(۵) قانونِ پیدا آوری: ٹکس بدرجۂ اولی پیدا آور (Prodiective) ہونا چاہئے، یعنی اصل ٹکس کی مقدار بہت معقول ہونی چاہئے، کیونکہ ٹکس قائم کرنے کا منشا، مصارفِ حکومت کے واسطے آمدنی پیدا کرنا ہے، اور جب ایسی آمدنی کی مقدار قلیل ہو، تو ظاہر ہے کہ ٹکس ناقص ہوگا، اور اس سے حصولِ آمدنی کی غرض بدرجۂ ادنی پوری ہوگی،

(۶) قانونِ تغیر پذیری: ٹکس متعدد ذرائع پر مختلف شرحون سے اس طرح قائم کرنا چاہئے کہ حسبِ حالات اس کی مقدارِ ماحصل مین اضافہ وتخفیف ہو سکے،

یہ ۶ قانون ہوئے جن کا ٹکس قائم کرنے مین لحاظ رکھنا ضروری ہے، کیونکہ ان کی خلاف ورزی سے عام مرفہ الحالی اور معاشی ترقیون کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے،

جزیہ قائم کرتے وقت ان قوانین کو پیشِ نظر رکھا گیا تھا، یا نہین؟ اس کا جواب ذیل مین دیا جاتا ہے،

پہلا قانون معدلت یا عدل ہے اس کی تعریف مین یہ الفاظ "اپنی اپنی قابلیت کے تناسب" ہمیشہ سے معاشی علمار کے اختلاف کا آماجگاہ رہے ہین، یہ امر کہ محصول انصاف سے قائم کرنا چاہئے بالکل مسلّم ہے لیکن یہ عمل کیونکر ہو سکتا ہے؟ اور محصول کے تقرر مین کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئین؟ اس کے متعلق علما نے چند راستے اختیار کئے ہین، جو محصولِ معیارِ خدمات، محصولِ مساوی، محصولِ متناسب (Prop-ortional yax) وغیرہ کی شکل مین موجود ہین،

لیکن ان سب سے بہتر طریقہ محصولِ متزاید یا تدریجی (Progressive yax) کا ہے جو آج کل ہر جگہ اختیار کیا جا رہا ہے، اس طریقہ کے مطابق یہ ضروری ہے کہ ٹکس لگانے مین تدریج سے کام لیا جائے یعنی

(الف) ٹکس مالی حالت کے فرق کے بموجب بشرح مختلف قائم ہو، امراء پر بشرح اعلیٰ، متوسطین پر بشرح متوسط، اور غربا پر بشرح ادنیٰ، تاکہ تمام ٹکس ادا کرنے والے مساوی بار یا ایثار محسوس کرین تشخیص جزیہ مین امراء، متوسطین، اور غرباء کے ۳ طبقے مالی حالت کے اختلاف کی بنا پر قرار دیئے گئے ہین، اور ان پر بشرح مختلف ۱۲، ۲۴، ۴۸ درہم سالانہ یا ہر ماہ ۱، ۲، ۴ درہم کے حساب سے محصول لگایا گیا ہے،

(ب) شرح محصول مختلف ہونے کے باوجود ایک حد تک محدود ہو یعنی اس پر متواتر اضافہ نہ کیا جائے تاکہ اضافۂ آمدنی کسی حالت مین لوگون کے لئے ضرر رسان نہ ہو، اور اجتماع دولت، بلند حوصلگی، اور کفایت شعاری کے راستہ مین نامناسب مزاحمتین پیدا نہ ہو جائین، یہ بالکل بدیہی ہے کہ "طلائی انڈے دینے والی مرغی کو ذبح کر ڈالنا کوئی عقلمندی کا کام نہین"، تاہم موجودہ معاشیین محصول متزائد کے مسئلہ پر غور کرتے وقت اس چیز کو بہت کم پیش نظر رکھتے ہین، اور اس لئے آمدنی کی مقدار بڑھنے کی حالت مین وہ برابر شرح محصول مین اضافہ کرتے جاتے ہین، بخلاف اس کے اسلام نے دولت و افلاس کے لحاظ سے انسانی جمیعتون کے لئے جزیہ کی جو شرح مقرر کی، وہ اگرچہ بذاتِ خود مختلف ہے، تاہم ہر شرح محدود ہے یعنی بالفاظ دیگر ہر طبقہ کی آمدنی کے متعدد مدارج قرار دے کر ان کے لئے علٰحدہ علٰحدہ شرحین قائم نہین کی ہین، بلکہ تمام غرباء کے لئے ایک شرح ہے، تمام متوسطین کے لئے ایک اور تمام امراء کے لئے ایک، اس سے ہر طبقہ پر جزیہ کا یکسان الگ الگ بار پڑتا ہے اور کسی خاص طبقہ کو زیادہ استطاعت کی وجہ سے جزیہ بار گران نہین معلوم ہوتا،

(ج) آمدنی جب تک ایک خاص مقدار تک نہ پہنچے، محصول کا مطالبہ نہ کیا جائے، چنانچہ جزیہ اس شخص سے نہین لیا جاتا، جو ۲۰۰ درہم سے کم کا مالک ہو، یا جس کی آمدنی خاندان کی پرورش کے لئے ناکافی ہو، کیونکہ ایسا شخص محصول ادا کرنے کی قابلیت ہی نہین رکھتا، چنانچہ زکاۃ کے لئے بھی کم سے کم دوسو درہم کا مالک ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے،



دوسرا قانون **تیقن** ہے، جس کو تعیین بھی کہتے ہین، اُس کے رو سے جزیہ کی شرح ہمیشہ معین رہی ہے، جزیہ ادا کرنے والے کو اپنی مالی حیثیت کے مطابق واجب الادا رقم کی صحیح مقدار کا علم ہوتا ہے، جس کی بنا پر جبر یا دھوکے سے کوئی شخص سرکاری مطالبہ سے زیادہ وصول نہین کر سکتا، جزیہ کی شرح مین تغیر و تبدل ہی نہین ہے، اس کی ادائگی کا وقت مقرر ہے، یعنی سال تمام پر وصول کیا جائے[۱]، ادائگی کا طریقہ بھی بتلایا گیا ہے یعنی جانور، سامان، اور پیشہ کی ہر چیز رقم جزیہ کے عوض پیش کی جاسکتی ہے، صرف مردار، سور، اور شراب پیش نہ کرنا چاہئے، اور اگر یہ چیزین آئین تو اہل پیشہ کے ذریعہ سے ان کو فروخت کرا کر اُن کی قیمت دفتر مین جمع کرنی چاہئے، کیونکہ اس مین اہل جزیہ کو سہولت ہوتی ہے،[۲]

تیسرا قانون **سہولت** ہے، جزیہ کے ذرائع اور اس کی وصولی کے اوقات جن کا دوسرے قانون مین ذکر ہوا، درحقیقت ایسے تھے کہ جزیہ دینے والون کا کوئی نقصان اور ہرج نہ ہوتا تھا، نہ ان کو کوئی دقت اور دشواری محسوس ہوتی تھی،

چوتھا قانون **کفایت** ہے، اس کے ۳ مفہوم ہین، پہلے مفہوم کے رو سے جو کچھ فراہمی جزیہ مین صرف ہوتا ہے، اس کی مقدار بمقابلہ ماحصل جزیہ ادنیٰ سے ادنیٰ ہوتی ہے یعنی اس کے فراہم کرنے کے مصارف اصلی مطالبات سے کم اور بہت کم ہوتے ہین، دوسرے مفہوم کے رو سے جزیہ ادا کرنے والون کو مقدار جزیہ سے زیادہ دینا نہین پڑتا، کیونکہ وہ کاروبار مین بہت کم حارج ہوتا ہے، تیسرے مفہوم کے رو سے جزیہ افزونی دولت، اور اضافۂ مرفہ الحالی مین مانع اور مزاحم نہین ہے،

پانچوان قانون **پیدا آوری** جزیہ کی رقم کی آمدنی نہایت معقول ہوتی ہے، اور اس سے مصارف حکومت کے واسطے آمدنی پیدا کرنے کا منشا حاصل ہوتا ہے، اور سلطنتون کو چھوڑ کر خود اورنگ زیب کے زمانہ مین صرف گجرات سے جزیہ کی رقم جس قدر وصول ہوتی تھی، وہ مرجدوناتھ سرکار اور ہمارے معترض آرسطو دونون

---

[۱] مبسوط ص ۸۲ ج ۱۰ [۲] کتاب الخراج امام ابو یوسف رح ص ۶۹،

کو کھٹکتی ہے،

چھٹا قانون تغیر پذیری ہے، ٹکس متعدد ذرائع پر مختلف شرحون سے اس طرح قائم کرنا چاہئے کہ حسب حالات اس کی مقدار ماحصل مین اضافہ و تخفیف ہو سکے، یہ نہین کہ مصارف حکومت کے واسطے خواہ رقم زیادہ درکار ہو، یا کم ہر حالت مین ماحصل ٹکس کی مقدار وہی ایک رہے، جو کبھی خرچ کے واسطے بھی ناکافی ہو، اور کبھی زائد بچ رہے، بہ الفاظ مختصر، ماحصل ٹکس جس حد تک کمی و بیشی مصارف کی متابعت کرے بہتر ہے، جزیہ مین اس شکل کے علاوہ جب کسی شہر یا علاقے سے کوئی خاص رقم طے ہو جائے، ہمیشہ اس قانون کا لحاظ رکھا جاتا ہے، وہ مختلف پیشون پر مختلف شرحون سے حسب حیثیت وصول کیا جاتا ہے، اس مین کمی و بیشی کا بھی اختیار ہے، چنانچہ تخفیف جزیہ کے بعض واقعات امام ابو یوسف اور یحییٰ بن آدم کی ہمنام تصنیفات (کتاب الخراج) سے اوپر نقل کئے گئے ہین، اور معافی جزیہ کی نسبت موانید کا مسئلہ بھی درج کیا گیا، ان بیانات بالا سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ چونکہ جزیہ ان تمام قوانین و اصول کا پابند ہے، اس لئے معاشی حیثیت سے وہ نہایت عمدہ محصول ہے، کیونکہ وہ تمام محصول جو ان اصول کے پابند نہ ہون یا کم پابند ہون معاشیین کے نزدیک ناقص ہوتے ہین، (باقی)

---

## ضروری اعلان

سکہ کے اختلاف اور بعض دوسری دشواریون کی بنا پر فی الحال ہندوستان اور پاکستان کے درمیان وی پی اور منی آڈر آجا نہین سکتے، اس لئے کتابین بھی نہین آجا سکتین، مغربی پاکستان مین شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور، دار المصنفین کے نمایندے ہین، اُن کے یہان ہماری تمام مطبوعات ملجائین گی، جن لوگون کو ضرورت ہو اُن سے منگا لین، اور جن اصحاب کے ذمہ معارف کا چندہ باقی ہے، مہربانی کرکے اُسے بھی شیخ صاحب کے پاس بھیج دین،

"منیجر"



# ہاروت اور ماروت

## بسلسلۂ سابق

از

مولانا ابو الجلال صاحب ندوی

ہاروت اور ماروت فرشتے نہین لیکن چونکہ اُن کی بابت خود قرآن مین ملکین کا لفظ وارد ہے اسلئے فرشتون ہی کے ساتھ اُن کا تذکرہ بھی ضروری ہے،

لفظ بابل کے ماتحت ہم نے وہ آیت نقل کی ہے جس مین ہاروت اور ماروت کا ذکر ہے، قرآن کے بیان کے مطابق یہ دونون بابل کے دو معلم تھے جن سے بنو اسرائیل نے میان بیوی کے درمیان تفرقہ ڈالنے کا ہنر سیکھا تھا، جس کے سیکھنے سکھانے کو خدا نے اُن بنی اسرائیل کے کافر ہونے کی دلیل قرار دیا ہے،

بعض وقت خود بولنے والے کسی لفظ کو اپنے عقیدہ اور تصور کے برخلاف مخاطب اور فریق بحث کے عقیدہ اور تصور کے مطابق بولتے ہین، لغات مین اس کی نظیرین بہت ہین، یہود حضرت عیسیٰؑ کو نہ مسیح مانتے تھے اور نہ رسول اللہ، مگر نزول قرآن کے ایام مین انھون نے یہ کہکر ناز کیا تھا، کہ انا قتلنا المسیح عیسی بن مریم رسول اللہ بعینہٖ اسی طرح چونکہ یہود ہاروت اور ماروت کو الملکین کہتے تھے، اس لئے قرآن مین بھی بطریق طنز ان کو الملکین کہا گیا ہے،

**ہاروت** | بابل کے ذکر مین بتایا گیا ہے کہ یہان دو قومون کے آثار پائے جاتے ہین، ایک قوم کو بنو سام اور دوسری کو سمیری قوم کہا جاتا ہے، اس دوسری قوم کا اہم ترین مرکزی شہر اُور تھا، بعد مین یہ لفظ شہر کا

مرادت بن گیا، اصل مین اس لفظ کا ترجمہ ہے روشنی، یہ قوم روشن اجرام کی پجاری تھی اور یہ شہر ایک روشن جرم فلک کا معبد ہونے کی وجہ سے اُور کہلایا، اس لفظ کو سمیریون کے یہان اس قدر اہمیت حاصل تھی، کہ ان کے اکثر بادشاہون کے نامون مین یہ لفظ پایا جاتا ہے، مثلاً

۱- اُور کاجانا ۲۵۰۰ سنہ (۲) اُور لانا ۲۳۰۰ سنہ (۳) اُور نینا ہ ۲۲۹۰ سنہ (۴) اُور من حرسون ۲۱۰۰ سنہ (۵) اور نواکردون ۲۵۰۰ سنہ، یہ پانچون سمیری بادشاہ تھے،

سمیریون کے بے نام ونشان ہوجانے کے بعد بھی بعض غیر سمیریون کے نامون مین اُور کا لفظ پایا جاتا ہے، مثلاً کنعان کے ایک اشوری فرمانروا کا نام جو ۳۰۰۰ سنہ ق م مین گذرا ہے اورو ملک تھا، مصری بولی مین تا کے معنی ہین زمین، چنانچہ پونٹ کو تانتر کہتے تھے، اور جو بادشاہ بالائی اور زیرین دونون مصرون کا بادشاہ ہوتا تھا، اس کو نب تاوی کہتے، اور تا کے معنی ہوئے ارض، نیز قدیم بابلی مین تا اور تو کے معنی تھے نسل اور قوم، پس اُور تا کے معنی اُور کی قوم ہین، اسی لفظ کا دوسرا تلفظ ارتو ہے، جس پہاڑ پر حضرت نوح کی کشتی ٹکی تھی، اس کا تورانی نام اراراط ہے، یہ اور ارتو کی بدلی ہوئی شکل ہے، یہ آرمینیہ کا کلدانی اور اشوری نام ہے، اور ارتو کے معنی ہین، آرتو کی بستی، بابل کے سمیری اصل مین جہان سے بھی اس دیار مین آئے ہون، مگر آرمینیہ ہوتے ہوئے آئے تھے، اسی اور تا اور آرتو کا نام عربی لب ولہجہ مین ہاروت بنا، قرآن مین جس ہاروت کا ذکر ہے، اگر وہ نسلی حیثیت سے نہین تو مذہبی اور ثقافتی حیثیت سے اسی قوم کا ایک فرد تھا،

**ماروت** | اشوری بادشاہ اشور بنی پال (۶۶۸ سنہ ق م) کے زمانہ مین عیلام مین ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا جس کا نام تھا اُور تاگی (حاکم ہاروت) یہ پہلے اشور بنی پال کا حلیف تھا، بعد مین کسی وجہ سے اس کا مخالف ہوگیا، اور اُس نے بابل پر جو ان دنون شاہان اشور کے ممالک مقبوضہ مین داخل تھا، حملہ کردیا، لیکن اشوریون نے شکست کھائی، اُور تاگی کے مرنے کے بعد عیلام کا بادشاہ تی اُمّان ہوا جس کی



بابت اشوری تحریر بتاتی ہے، کہ وہ اپنے پیش رو دو بادشاہون کی طرح "مثیل شیطان" تھا، تی امان کے بعد عیلام کا حاکم اُور تاگی کا فرزند تم مارتو ہوا، یہ اشوریون کا وفادار حلیف تھا، اس بادشاہ کا نام دو لفظون کا مجموعہ ہے، پہلا لفظ تم ہے، جسے عربی لب ولہجہ مین تام پڑھ سکتے ہین، بائبل کے عبرانی نسخون مین یہ لفظ عموماً مرد کامل کے معنی مین آیا ہے، اور ہمیشہ نیکی اور راستی مین باکمال کو تم کہتے تھے، "نوح اپنے قرن مین صدیق و راستباز، اور تم (کامل) تھا، (تکوین ۶: ۹) اس کے نام کا دوسرا جز مارتو، عربی لب ولہجہ مین ماروت بنا، لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ قرآن مین اسی ماروت کا ذکر ہے، جو اپنے خیال مین تم یعنی مرد کامل تھا، اور جس کا باپ اُور تاگی (حاکم ہاروت) اشوریون کی نظر مین مثیل شیطان تھا بلکہ ارتو کے لغوی معنی ہین "انسان کی نسل" سفر تکوین مین وارد ہے، کہ "نفلیم جن کو گبورم بھی کہا جاتا ہے بنی الوہیم اور بنات آدم کی اولاد تھے، (تکوین ۶: ۱تا۴) اس سے ظاہر ہے کہ ایک زمانہ مین دو قومین ایک ساتھ رہتی تھین ایک کو خداؤن کی اولاد ہونے کا ادعا تھا، اور دوسری قوم کو یہ ادعا نہین تھا، بلکہ وہ خود کو معمولی آدم زاد کہتی تھی، اسی قوم کا نام مارتو تھا، اطراف بابل مین جو نبو سام تھے، وہ خود کو امورد کہتے تھے، یہ نام عربی لفظ امرءٌ (انسان) کی قدیم شکل ہے، اسی قوم کا ذکر توراۃ مین اموری قوم کے نام سے آیا ہے، بابل کے سامری بولنے والے اس قوم کو مارتو کہتے تھے، یہی نام عبرانی لب ولہجہ مین مروت اور عربی لب ولہجہ مین ماروت ہوگیا، فلسطین مین بھی چونکہ ایک وقت مارتو، ماروت، مروت اور امورو کہلانے والی قوم بستی تھی، اس لئے ایک زمانہ مین اطراف بیت المقدس کو بھی مروت کہتے تھے، چنانچہ صحیفہ میکاہ مین ہے،

"مروت کی رہنے والی اپنے اموال کے لئے کڑھتی ہے، کیونکہ خداوند کی طرف سے بلا نازل ہوئی جو یروشلم کے پھاٹک تک پہنچی، (میکہ ۱: ۱۲)

قرآن کریم مین جس شخص کا ماروت کے نام سے ذکر ہے، وہ اسی مارتو کہلانے والی قوم کا ایک فرد تھا"

**افسانۂ ہاروت و ماروت**

قرآن مین ہاروت اور ماروت کو طرزاً فرشتے کہا گیا ہے لیکن مفسرین نے بہت سی ایسی روایتین نقل کی ہین جن کا ماحصل یہ ہے کہ یہ دونون واقعی فرشتے تھے، فرشتون نے بنی آدم کی خطائین دیکھ کر خدا سے کہا کہ ہم ہوتے تو ہم سے یہ گناہ نہ ہوتے، خدا نے کہا اچھا اپنے درمیان سے دو کو امتحان کے لیے چنو، چنانچہ ہاروت اور ماروت چنے گئے، اور انسان بنکر زمین مین اترے اور ایک خوبصورت عورت پر ریجھ گئے، اس عورت کو انھون نے اسم اعظم سکھانے کے بعد اس کے کہنے سے شراب پی، بت پوجا، اور بہت سے گناہ کئے، پھر اس نے ان کو تمتع کی اجازت دی، وہ عورت اس کے بعد اسم اعظم کے زور سے آسمان پر اڑ گئی، خدا نے اسے ستارۂ زہرہ کی صورت مین مسخ کر دیا، اور ان فرشتون سے کہا گیا کہ عذاب دنیا اور عذاب آخرت مین سے ایک کو پسند کرین، دونون نے عذاب دنیا کو پسند کیا، چنانچہ وہ دونون ایک تاریک کنوین مین قیامت تک کے لئے لٹکا دیئے گئے، یہ ہے متعدد روایتون کا مجموعی مفہوم، یہ تمام روایتین سیوطی نے دُرِ منثور مین نقل کی ہین، ہم نے سب کا ملخص لے لیا ہے، ورنہ ان مین ان روایتون مین اختلاف ہے، ایک روایت مین اس واقعہ کا زمانہ حضرت ادریس علیہ السلام کا عہد بتایا گیا ہے، حضرت ادریس طوفان نوح کے بعد پیغمبر مبعوث ہوئے اور وہ کشتی نوح کے سوارون مین سے ایک تھے، لیکن متقدمین نے ان کو حضرت نوح کے مورث خنوخ سے تطبیق دی ہے، دوسری روایت مین ہے کہ ان فرشتون کے پاس خدا کا یہ پیغام کہ دنیا یا آخرت کے عذابون مین سے ایک کو پسند کرو، حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے بھجوایا تھا،

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ جو عورت زہرہ بن گئی تھی، وہ ایک روایت مین ایرانی عورت تھی اور ایک مین اسرائیلی۔

قرآن کریم مین ہاروت اور ماروت کا یہ قصہ نہیں ہے، اور نہ اسے بطور تفسیر ذکر کرنے کی آیت کا کوئی فقرہ اجازت دیتا ہے، البتہ چونکہ ہاروت اور ماروت کو طرزاً خدا نے دو فرشتے کہا ہے، اس لئے



اس طرز کو نہ سمجھنے والے روایت کے اس حصہ کو قرآن کی تفسیر مین اس طرح شامل کر دیتے ہین کہ تھے تو وہ دونون فرشتے ہی، مگر بعد مین کافر ہو گئے، کیونکہ انھون نے ناز کیا تھا، کہ اگر بنی آدم کی جگہ ہم ہوتے، تو ہم سے یہ خطائین نہ ہوتین، اس لئے امتحان کی غرض سے خدا نے اُن کو انسان بنا کر زمین مین اُتارا، اور وہ امتحان مین ناکام رہے، باقی قصہ کا قرآن کے کسی فقرہ سے ذرہ برابر واسطہ نہیں ہے،

**روایات کی نوعیت**

اس افسانہ کی بدولت قرآن پاک پر اعتراضات کئے جاتے ہین، اس لئے اس کی پوری حقیقت کھولنا ہمارا فرض ہے، لیکن قصہ کے سرچشمون پر بحث سے پہلے روایات کی نوعیت دکھا دینا ضروری ہے،

صحاح ستہ مین ہاروت اور ماروت کا یہ قصہ نہیں ہے، مستدرک مین حاکم نے اس قصہ کی حضرت علیؓ سے تخریج کی ہے، اور حضرت ابن عباسؓ سے صرف اتنے مضمون کی تخریج کی ہے، کہ زہرہ پہلے ایک عورت تھی جس کو اس کی قوم والے بیدخت کہتے تھے، گو حاکم نے ان دونون روایتون کی اسناد کو شیخین کی شرط پر صحیح بتایا ہے، لیکن شیخین کا اس کو روایت نہ کرنا ہی یہ بتاتا ہے کہ اس کی سند مین ضرور کچھ نہ کچھ نقص ہے، جہان تک حضرت علیؓ کی روایت کا تعلق ہے، حاکم کی تصحیح قابل رد ہے، عمیر بن سعید نخعی کی بابت جن سے حاکم نے حضرت علیؓ کی روایت نقل کی ہے، ابن حزم نے کتاب الملل والنحل مین لکھا ہے، کہ

"وہ مجہول ہے حضرت علی رضی سے اس نے دو روایتین نقل کی ہین، ان دو کے علاوہ اس کی کسی اور روایت کا ہم کو علم نہیں ہے، ایک تو شارب خمر کی حد سے متعلق ہے، یعنی وہ جس کی امام بخاری نے تخریج کی ہے، اور ایک ہاروت و ماروت کے قصہ مین، اور یہ دونون جھوٹی روایتین ہین"

تہذیب التہذیب مین حافظ ابن حجر نے اس قول کو نقل کر کے لکھا ہے کہ افرط ابو محمد بن حزم یعنی محمد بن حزم نے افراط و مبالغہ سے کام لیا ہے، مطلب یہ ہے کہ انکی دونون روایتون کو جھوٹی قرار دینا حد سے تجاوز ہے، امام بخاری والی روایت قطعاً جھوٹی نہیں ہو سکتی، رہی قصہ ہاروت و ماروت والی تو دا نو اس کی بابت اتنا کہہ دینا کافی ہے، "لہ عندہ حدیث واحد عن علی فی حد شارب الخمر"

یعنی ائمۂ حدیث کی رائے مین حضرت علیؓ سے انھون نے صرف ایک ہی حدیث شارب خمر کے بارے مین روایت کی ہے،

حضرت ابن عباسؓ کے اس قول کو "زہرہ پہلے ایک عورت تھی" کی روایت وہم سے خالی نہین ہے ممکن ہے کہ انھون نے عربون کے قدیم تصور کی روایت کی ہو، لیکن اسے ان کا قول سمجھ لیا گیا ہو، حضرت ابن عباسؓ کے راوی ابوعثمان النہدی آنحضرت صلعم کے زمانہ حیات مین مسلمان ہوئے، مگر زیارت کا شرف حاصل نہ کر سکے، اُن کے راوی سلیمان بن بلال التیمی کی ثقاہت پر شبہہ کرنا روا نہین ہے، مگر ان کی اس قسم کی بعض کمزوریون کی بنا پر اُن کی روایات کے بارہ مین عثمان بن سبیعہ کا خیال تھا کہ اُن سے روایت کرنے مین ہرج نہین ہے، مگر اس پر اعتماد نہین کیا جا سکتا،

سیوطی نے دُرِ منثور مین کئی کتابون کے حوالہ سے کئی بزرگون سے اس افسانہ کو نقل کیا ہے اور اکثر روایتین صحابی اور تابعی کے قول پر منتہی ہوتی ہین، ایام جاہلیت مین یہ قصہ مشہور تھا صحابۂ کرام کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ مشہور ماجرا سنانے کے بعد اس کے متعلق قرآن مجید کی آیتین پڑھ دیتے تھے، اس طرح قرآن کی آیت مشہور عوام قصہ کی اصلاح کر دیتی تھی، اور سننے والے قصہ کو قرآن کی تفسیر نہین، بلکہ قرآن کی آیت کو قصہ کے باطل حصہ کی تردید اور صحیح حصہ کی تصدیق سمجھتے تھے، اس لئے اگر صحیح سند سے کسی صحابی تک کسی ایسے قصہ کی سند پہنچتی ہے، جس کا قرآن سے رابطہ ہونے کے باوجود اس مین قرآن سے زائد ناقابل یقین باتین ہین، تو ہم کو چاہئے کہ روایت کو مسترد کرنے کے بجائے مضمون قرآن کو قصہ کی اصلاح قرار دین، لیکن دشواری یہ ہے کہ بعض روایات مین ایسے الفاظ بھی ہین جو اس کریہہ کہانی کے بعض اجزاء کو آنحضرت صلعم کی زبان مبارک پر بھی رکھ دیتے ہین، ایسی روایتین یقینی طور پر قابل تسلیم نہین ہین، حضرت علیؓ کی طرف منسوب روایت کو جسے حاکم نے صحیح بتایا ہے، ابن حزم نے جھوٹی کہا ہے، اور محدثین اُسے حضرت علیؓ کا قول ہی نہین مانتے، وہ اگر درست بھی مان لیجائے



تو چونکہ حضرت علی پر منتہی ہوتی ہے، اور عام عربی تصور کے مطابق ہے، اس لئے کوئی ہرج نہین، مگر دُرِ منثور مین خطیب وغیرہ کے حوالہ سے سیوطی نے نافع کا قول نقل کیا ہے، کہ ایک سفر مین انکا اور حضرت عبد اللہ بن عمر کا ساتھ ہوا، اتنے مین سرخ تارا طلوع ہوا، اسے دیکھ کر ابن عباس نے کہا لا مرحبا بھا ولا اھلاً مین نے کہا سبحان اللہ نجم سحر سامع مطیع ہے، حضرت عبد اللہ بن عمر نے فرمایا ما قلت لک الا ما سمعتُ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

یہ فرمانے کے بعد ہاروت اور ماروت کا قصہ نقل کیا ہے لیکن ابن جریر نے عبد اللہ بن عمر عن کعب الاحبار سے اس قصہ کی تخریج کی ہے، اور یہی واقعہ ہے اس قصہ کی روایت مفسرین کسی شخص تک بھی منتہی کرین لیکن ان تمام روایتون کا سرچشمہ انھین کعب احبار یا کسی دوسرے عالم اہل کتاب کا قول ہوگا، قرآن مجید کی آیت کو ہاروت و ماروت اور زہرہ کی کہانی سے کوئی واسطہ نہین ہے، البتہ قرآن مین اُن کی بابت طنزاً دو فرشتون کا لفظ ہے، مگر وہ واقعی فرشتے نہ تھے، بلکہ ایک ایسے ہنر کے عالم تھے، جس کے سیکھنے سکھانے کو خدا نے مکفرین سلیمان علیہ السلام کے کفر کی دلیل قرار دیا ہے، اور بتایا ہے کہ خود اُن کو بھی اپنی بابت فتنہ اور اپنے ہنر کی بابت کفر ہونے کا یقین تھا، چنانچہ فرمایا کہ یہ مکفرین سلیمان،

| | |
|---|---|
| یعلّمون الناس السحر وما انزل | آدمیون کو بھی سحر کی تعلیم کیا کرتے تھے |
| علی الملکین ببابل ھاروت وماروت | اور اس کی بھی جو کہ ان دونون فرشتون |
| وما یعلّمان من احد حتی یقولا | نازل کیا گیا تھا، بابل مین جن کا نام ہاروت |
| انما نحن فتنۃ فلا تکفر فیتعلمون | و ماروت تھا، اور وہ دونون کسی کو |
| منھما ما یفرقون بہ بین المرء و | نہ بتلاتے، جب تک یہ نہ کہدیتے کہ ہمارا |
| زوجہ وما ھم بضارین من | وجود بھی ایک امتحان ہے اس تو کہین |

احد الا باذن الله ويتعلمون ما يضرهم ولا ينفعهم ولقد علموا لمن اشتراه ماله في الآخرة من خلاق ولبئس ما شروا به انفسهم لو كانوا يعلمون

کا ضرر پہنچائیو، سو لوگ ان دونون سے اس قسم کا سحر سیکھ لیتے تھے جس کے ذریعہ سے کسی مرد اور اس کی بیوی مین تفرقہ پیدا کر دیتے تھے، اور یہ لوگ اس کے ذریعہ سے کسی کو بھی ضرر نہین پہنچا سکتے مگر خدا ہی کے حکم سے اور ایسی چیزین سیکھ لیتے ہین، جو ان کو ضرر رسان ہین اور ان کو نافع نہین ہین، اور ضرور یہ بھی اتنا جانتے ہین، کہ جو شخص اس کو اختیار کرے، ایسے شخص کا آخرت مین کوئی حصہ نہین، اور بے شک بُری ہے وہ چیز جس مین وہ لوگ اپنی جان دے۴

[illegible]

**قصہ کا سرچشمہ**

حضرت عبد اللہ بن عمر کی طرف منسوب ایک روایت سے ظاہر ہے کہ ہاروت اور ماروت کا افسانہ مسلمانون مین کعب احبار کے ذریعہ آیا، حضرت کعب احبار یمنی اور مذہباً یہودی تھے، ان کی منسوب اقوال سے اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے، کہ وہ نصرانی لٹریچر سے بھی واقف اور کسی حد تک متاثر تھے، موجودہ دور کے نصرانی علما اب تو ہاروت اور ماروت کے قرآن مین مذکور ہونے پر معترض ہین، لیکن اس کے ناپسندیدہ عناصر جن کو تفسیر قرآن سمجھ کر اعتراض کیا جاتا ہے، خود نصرانی اور یہودی لٹریچر سے آئے،

مسلمانون کا فرشتون کی بابت یہ عقیدہ ہے کہ وہ اللہ کے احکام کی نافرمانی نہین کر سکتے، ا



وہ وہی کرتے ہین جو ان کو خداوند عالم کی طرف سے فرمایا جاتا ہے"، اس عقیدہ کو اہل علم کے مباحث نے ایجاد نہین کیا، بلکہ قرآن مجید مین فرشتون کی بابت صریحاً یہ ارشاد ہے، قدیم نصرانیون کے خیال مین ایسے فرشتے بھی ہین جنھون نے گناہ کیا، اپنی اصلی حالت پر نہین رہے، بلکہ اپنے مقام کو چھوڑ دیا (یہودا کا خط اور ۲ پطرس کا دوسرا خط ۲:۴) چونکہ قرآن مین ایسی چیز کے دو معلمون کو خدا نے منزا دو فرشتے کہا ہے جس کا سیکھنا سکھانا کفر تھا، اسی لئے حضرت کعب احبارؓ نے ہاروت اور ماروت کو انہی فرشتے مین سے خیال کر لیا جن کا ذکر یہوداہ اور پطرس کے مقدس خطون مین ہے،

نصرانیون کا یہ تصور اُن کی اپنی ایجاد نہ تھا، بلکہ یہودیون کے تصور مین فرشتے دو قسم کے تھے، نیک اور بد، علاوہ برین ہر ملک کا حامی اور نگران ایک ایک فرشتہ کو مانا جاتا تھا، سفر دانیال مین ہے کہ حضرت جبرئیل نے ان کو خبر دی کہ

"فارس کی مملکت کا سردار ۲۱ دن تک میرے مقابلہ مین ڈٹا رہا، اور دیکھ میکائیل جو سردارون مین ہے میری مدد کو پہنچا (۳:۱۰) اور اب دیکھ مین فارس کے سردار سے لڑنے کو پھر جاؤنگا تب یونان کا سردار آئے گا، (دانیال ۳:۱۰)

ان آیتون سے سمجھا گیا کہ جس طرح فارس اور ایران کے جداجدا غیبی سردار تھے، جو میکائیل اور جبرئیل کے حریف تھے، اسی طرح ہر ملک کا حامی اور مددگار خدا کی طرف سے ایک فرشتہ مقرر ہے، مصر کے حامی اور مددگار فرشتہ کا نام عزّی تھا، چنانچہ ایک مدراس کی روایت ہے کہ جب بنو اسرائیل مصر سے نکلنے لگے،

"مصر کے موکل عزّی نے تخت ازل کے سامنے عرض کیا، جس قوم کو تو مصر سے نکال رہا ہے اس پر میرا حق ہے،

مگر اسرائیل کے موکل میکائیل نے سامنے آکر عزّی کے تمام دلائل خاک مین ملا دیئے[۱]، عزّی نے

---

[۱] My the onlegund of Ancient Israel بحوالہ جلد اص Midrach Ab Kie qonted by yalkal 241

یہ بھی کہا تھا کہ "تو نے حضرت ابراہیم سے فرمایا تھا، کہ تیری نسل ۴۰۰ برس مصر کی غلامی کرے گی، ان لوگون نے میری قوم کی صرف ۲۱۰ برس غلامی کی ہے، اس لئے ابھی ۱۹۰ برس اور میرے لوگون کو ان سے خدمت لینے کا حق ہے، لیکن میکائیل نے بحث کرکے قائل کر دیا، کہ یہ مدت صرف مصر مین قیام کے لئے مقرر تھی،[1]

عزی یعنی حمایت مصر پر مامور فرشتہ کے متعلق یہود کے تصورات ایسے تھے جن سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی بولی مین یہ اہل مصر کے دیوتا آمن رع کا نام تھا، اکثر وہ فراعنہ جن کا تاریخ بنی اسرائیل سے رابطہ ہے خود کو آمن رع کی نسل باور کرتے تھے،

عزی کے ایک ساتھی فرشتہ کا نام عزازیل تھا، جو کہ مسلمانون کے لٹریچر مین ابلیس کا ایک نام ہے،

تکبر عزازیل را خوار کرد      بزندان لعنت گرفتار کرد

سفر احبار کے مطابق نعوذ باللہ خود خدا نے اس کے لئے بکرے چھوڑنے کا حکم دیا تھا، یہودی افسانون کے مطابق یہ دونون فرشتے تھے، جو آسمان سے زمین پر اتارے گئے تھے، ان دونون نے بنی آدم کو ایسے جادو کی تعلیم دی کہ اس کے زور سے انھون نے ایام الوثنی مین سورج اور چاند تک کو گرلیا تھا،[2] ہاروت و ماروت کو عربی روایتین سحر اور جادو کا معلم بتاتی ہین، قرآن مجید کی آیت:

"یُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ"

سے ظاہر ہے کہ سحر اور چیز ہے، اور جس چیز کی ہاروت اور ماروت تعلیم دیتے تھے، وہ اور چیز ہے، کیونکہ عربی قاعدہ سے معطوف کو معطوف علیہ کا غیر سمجھا جاتا ہے، جن عربی روایات مین ہاروت اور ماروت کو معلمین سحر بتایا گیا ہے، وہ عزی اور عزازیل کو قرآن کے ہاروت اور ماروت سے تطبیق دینے کا نتیجہ ہین،

یہودی تصور مین گرے ہوئے فرشتے صرف دو ہی عزی اور اسرائیل نہین تھے، بلکہ اور بھی کئی ایک تھے، سفر تکوین مین نظم کی بابت جو حضرت نوح کے زمانہ مین دنیا کے اندر آباد تھے، یہ بتایا گیا ہے کہ وہ بنات آدم اور نجرالوہیم کی اولاد تھے، نجرالوہیم (ہریجن یہ بمعنی خدا) کے جنے ہوئے) جیسے کسی قدیم نام کا ترجمہ ہے،

[1] حوالہ مذکورہ جلد ۲ ص ۲۰۹، [2] دی لیجنڈ آف جیوز مولفہ لوئی گنزبرگ جلد ا ص ۱۲۵ بحوالہ متعدد کتب یہود،



خود کو ابناء اللہ کہنے والی کسی قوم کا اس نام سے ذکر ہے، یہودی روایات نے ان بنی الوہیم کو ان فرشتون مین شمار کیا ہے جنھون نے گناہ کرکے اپنے مقام کو چھوڑ دیا، اور اپنی قدیم حالت مین نہ رہے، ان مین چند کے نام یہ ہین:

"برق ایل، کوکب ایل، ارض ایل، شمس ایل، شہر ایل"

ان کے رئیس اعظم کا نام شمخزی تھا، یہودی کہانی بولتی ہے، کہ یارد کے زمانہ مین برق ایل وغیرہ فرشتون نے جو زمین پر اتارے گئے تھے، بنات آدم کو خوبصورت دیکھ کر کہا،

"ہم اپنے لئے صرف بنات آدم سے بیبیان چنین گے، اور ان سے اولاد پیدا کرین گے"،

چنانچہ باہمی مشورہ سے انھون نے اپنے اس فیصلہ پر عمل کیا،[1]

اس افسانہ کے اندر ہاروت اور ماروت کے ایک عورت سے ملوث ہونے کا ذکر ہے، اس کی حقیقت بھی ہے، کہ قرآنی طرز کو نہ سمجھ کر بنات آدم سے ناجائز تعلقات پیدا کرنیوالے خطاکار عزی اور عزازیل کو ہاروت و ماروت سے تطبیق دی گئی،

ہاروت اور ماروت کا زمانہ ہماری روایتون نے حضرت ادریس کا زمانہ بتایا ہے، عام طور پر حضرت ادریس کو جناب حنوک سے تطبیق دی جاتی ہے، جو حضرت نوح کے مورثون مین سے تھے، یہودی افسانہ بتاتا ہے کہ جب ان گرے ہوئے فرشتون کی شرارتین حد سے گذر گئین، تو خدا نے حضرت حنوک کو ان کی تنبیہ پر مامور کیا، انھون نے عزازیل وغیرہ تمام گرے ہوئے فرشتون کو خدا کا حکم سنا دیا، جسے سُن کر وہ سہم گئے، اور حضرت حنوک کی معرفت خدا کے پاس درخواست رحم بھیجی، لیکن خدا نے جواب مین کہلوایا، کہ بنی آدم کی شفاعت تم کو کرنی چاہئے تھی، نہ کہ خود تم نے ایک ابن آدم کو اپنا شفیع بنایا، اور اُن کی درخواست مسترد کر دی، اور ان کے جرائم گنوا کر یہ فیصلہ کہلا بھیجا، کہ "تمھارے لئے اب آرام اور چین نہین ہے"،[2]

انہی کوکب ایل، اور شہر ایل جیسے فرشتون کی بابت پطرس کا بیان ہے کہ خدا نے ان کو "نہین چھوڑا"

[1] دی لیجنڈ آف جیوز ج اول ص ۱۲۶، [2] ایضاً،

بلکہ تاریکی کی زنجیروں میں جکڑ کر جہنم کے حوالہ کیا، تاکہ عدالت کے دن تک اُن کی نگہبانی ہو، (۲ پطرس ۲:۴) جناب یہودا فرماتے ہیں، کہ اُن کو خدا نے ابدی زنجیروں سے جکڑ کر تاریکی میں روزِ عظیم کی عدالت تک رکھا ہے" (یہودا ۱:۶) یہ ہیں بھٹکنے والے ستارے، جن کے لئے تاریکی کی سیاہی ہمیشہ کے لئے دھری گئی ہے، (یہودا ۱:۱۳) عربی روایت نے ہاروت اور ماروت کو چاہِ بابل کی تاریکی میں قید کیا ہوا، یہ کہانی کا ایک دوسرا رنگ تھا، یا قرآن کے ہاروت و ماروت کو جن سے شنعار و سینار ق م کے دو دنیا بنی اسرائیل بابلی فنون و علوم سیکھے تھے، ان فرشتوں سے تطبیق دینے کی بدولت اُن کے محبس کو جہنم کے بجائے ارضِ بابل میں اُتار دیا گیا،

وہ عورت جس سے ہاروت اور ماروت ملوث ہوئے تھے، اس کو ستارہ زہرہ کی صورت میں مسخ ہو جانے کے واقعہ کا اصل ماجرا یہ ہے کہ اہلِ بابل کے ایک دیوتا کا نام دوموزی تھا، جس کا ذکر بابل میں تموز کے نام سے آیا ہے، جس کے لئے عورتیں نوحہ کیا کرتی تھیں، اس کو دیوی عشتر کا جسے یمن میں عثتر اور فلسطین میں عشتار کہا جاتا تھا، اہلِ بابل کی دیو مالا میں شوہر بتایا گیا تھا، بابلی اور آشوری روایت یہ تھی، کہ دوموزی مر گیا، اور اسکی روح دیوی اللات کے ملک ارالو (بے نور) میں قید کر دی گئی، اس کے بعد عشتار نے ازدوبار (گلگامش) کو اپنا شوہر بنانا چاہا۔ مگر اس نے اُس کی درخواست قبول نہ کی، اس لئے وہ اللات کے بے نور ملک میں جا کر دوموزی کو دوبارہ زندہ کر لائی، یہ ہے افسانہ ازدوبار کا ملخص،

نمو اور عشتار دونوں دراصل آسمانی اجرام کے نام ہیں، جن کو پوجا جاتا تھا، لیکن انسانوں کے بھی یہ نام ہوتے تھے، ان ناموں کے ایک انسانی جوڑے کو ان ناموں کے دیوتاؤں کا اوتار بھی مانا جاتا تھا، یہی خیال بعد میں اس شکل میں بدل گیا، کہ عشتار نام ایک عورت جس کا عربی نام زہرہ ہے، اپنے شوہر تموز سے سیکھے ہوئے جادو یا عربی روایت کے مطابق اسمِ اعظم کے زور سے زہرہ بن گئی،



قرآنی آیت کی تفسیر میں ان تفصیلات کے تذکرہ کی ضرورت نہیں تھی، لیکن چونکہ کتب تفسیر میں یہ افسانہ مذکور ہے، اور اس کی بدولت قرآن پر اعتراضات کئے جاتے ہیں، اس لئے ہم کو اس قدر تفصیل سے کام لینا پڑا،

قرآن میں یقیناً ہاروت اور ماروت کو طنزاً دو فرشتے کہا گیا ہے، لیکن یہ دونوں یہودی لٹریچر کے گھڑے ہوئے فرشتوں میں سے نہ تھے، کیونکہ اُن کے اسماء میں اُن کے نام نہیں ملتے، یہ دونوں درحقیقت تاریخی اشخاص اور بابلی استادوں میں سے دو استاد تھے، جن کو ان کے ماننے والے حسنِ اعتقاد کی بنا پر فرشتے کہتے تھے، قرآن نے طنزاً اُن کو فرشتے کہا، اُن کے معتقدین بھی اُن کو حقیقی معنوں میں فرشتے نہیں کہتے تھے بلکہ اپنے گمان کے مطابق اُن کے حسنِ سیرت اور تقدس کے سبب سے ان کو تشبیہاً اسی طرح فرشتے کہتے تھے، جس طرح زنانِ مصر نے حضرت یوسف کی بابت کیا تھا، اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ،

---

## ارض القرآن حصہ اوّل

عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثارِ قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق کی ہے، ضخامت ۴۲۴ صفحے قیمت سے ر

## ارض القرآن حصہ دوم

قرآن مجید کے اندر جن قوموں کا ذکر ہے، ان میں سے مدین اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسماعیل اصحاب الرس اصحاب الحجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ اور عرب کی تجارت زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث، قیمت ع ر ضخامت ۴۴۰ صفحے،

"منیجر"

# الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ

کا

## ایک نادر نسخہ

از

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی صدر مدرس مدرسہ مفتاح العلوم مئو

گذشتہ مہینہ میں، مدرسہ مفتاح العلوم (جامع مسجد شاہی، مئو، ضلع اعظم گڈھ) کے کتب خانہ میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی تلخیص نصب الرایہ مسمی بالدرایہ کا ایک نادر اور اہم نسخہ داخل ہوا ہے، یہ اس کتاب کا نصف ثانی ہے، جو کتاب النکاح سے لے کر آخر تک کے تمام ابواب پر مشتمل ہے، ہمارے علم میں یہ نسخہ اپنی گوناگون خصوصیات کے اعتبار سے انفرادی شان رکھتا ہے، سطور ذیل میں اس نسخہ کا تعارف کرایا جاتا ہے، اس سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ممکن ہو کوئی صاحب علم اُس کے نصف اول کا سراغ لگا سکیں، اور اصحاب علم کے شکر کے مستحق ہوں،

نسخہ زیر نظر تقریباً ۲۰×۳۰ کے ۱۹۶ اوراق پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں اکیس سطرین ہین، خط نہایت پاکیزہ ہے کاغذ بہت دبیز اور اتنا پائدار و بہتر ہے، کہ تقریباً ساڑھے پانچسو برس گذرنے پر بھی بوسیدگی و کہنگی کا کوئی اثر اس مین نہین ہے، ابواب کے عنوانات، ہر حدیث کی ابتداء مین لفظ حدیث یا قولہ اور ایک حدیث کے دوسرے حوالہ یا اس کے دوسرے طرق کے بیان کے لئے لفظ اخرجہ یا ورواہ اور لہ طریق آخر وغیرہ شرح روشنائی سے لکھے ہوئے ہین،



اس نسخہ کا سنہ کتابت ۸۵۵ھ ہے، اس اعتبار سے خود مصنف کی زندگی مین اور تصنیف کے صرف تین سال بعد لکھا گیا ہے اس لئے کہ حافظ ابن حجر کی وفات ۸۵۲ھ مین ہوئی ہے، اور درایہ کا سال تصنیف ۸۲۷ھ ہے،

اس نسخہ کی دوسری بڑی خصوصیت یہ ہو کہ وہ ابو الفتح محمد بن احمد خطیب طوخی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، یہ بزرگ نوین صدی ہجری کے مشہور عالم و کاتب ہین، حافظ ابن حجر کے شاگرد علامہ سخاوی نے الضوء اللامع مین ان کا ذکر کیا ہے، وہ زرکشی، ابن الملقن اور دمیری وغیرہ کے شاگرد اور سبعہ کے قاری تھے، اور زین بن الصائغ سے کتابت کی مشق کی تھی، حافظ سخاوی فرماتے ہین کہ

"انھون نے ہمارے شیخ (ابن حجر) کی بہت سی تالیفات کی کتابت کی تھی"

حافظ ابن حجر کی مجلس املا مین ان کے امالی بھی لکھتے تھے، اور بہت تیز لکھتے تھے، اُن کی وفات ۸۳۰ھ مین ہوئی، (ضوء اللامع جلد ۷، ص ۸۰)

سخاوی کے اس بیان کی بنا پر زیر نظر نسخہ خود حافظ ابن حجر کے معتمد علیہ اور ان کی تالیفات کے ناقل و کاتب خاص کے قلم کا ہے، اور اس لحاظ سے یہ نسخہ نوادر روزگار مین سے ہے،

تیسری خصوصیت یہ ہو کہ یہ نسخہ ایک زمانہ مین ہندوستان کے مشہور و نامور بزرگ و عالم و مصنف حضرت مولانا غلام یحییٰ بہاری قدس سرہ کی ملک رہ چکا ہے، اور اس پر اُن کی مہر ثبت ہو جس مین اُن کے نام کا سجع یبشرک بغلام اسمہ یحییٰ کندہ ہے، اور مہر کے اوپر مولانا کے دست خاص کی یہ تحریر ہے، ثم دخل فی ملک غلام یحییٰ البھاری فی دار الخلافۃ بالشراء،

یہ تو اس نسخہ کے ظاہری خصوصیات ہین، اسی کے ساتھ اس کی سب سے بڑی معنوی خصوصیت یہ ہے کہ حافظ ابن حجر نے اس کتاب مین بہت سی حدیثون کی نسبت یہ تحریر فرمایا ہے کہ

لم اجدہ

مین نے اس کو نہین پایا،

اس نسخہ میں ہر جگہ تو نہیں لیکن پھر بھی بہت سے مقامات پر کسی قدیم حنفی محدث کے مختصر تعلیقات ہیں، ان تعلیقات کا خط اصل کتاب کے خط سے بہت مختلف ہے، پھر بھی بہت قدیم ہے، اور اغلب یہ ہے کہ اسی عہد کے کسی بزرگ کے تعلیقات ہیں، ان تعلیقات میں ان بزرگ نے یہ بتایا ہے کہ حافظ ابن حجر کو فلان حدیث نہیں ملی مگر وہ فلان فلان کتاب میں موجود ہے،

اس قلمی نسخہ کے آخری صفحہ پر حاشیہ میں ایک مٹی مٹی سی عبارت ہے، جس کے بعض الفاظ کیڑا دن نے چاٹ لئے ہیں، اور کچھ جلد بند کی بے احتیاطی سے کٹ گئے ہیں، اس لئے اس کا پڑھنا بہت مشکل ہے، تاہم بڑی کوشش سے اس کے بعض فقرے پڑھنے میں کامیابی ہو سکی، وہ فقرے یہ ہیں،

اَلحمدُ للہ طالعت ھذہ النسخۃ وَعلقت فی ھوامشھا مالو یجد مولفھا ...... وکتب قاسم الحنفی"

ان فقرون کو پڑھکر میں خوشی سے اچھل پڑا، اس لئے کہ ان فقرون نے ساری گرہ کھول دی اور ان سے کاتب تعلیقات کا سراغ مل گیا، جس سے ان تعلیقات کی قیمت میری نگاہ میں بہت بڑھ گئی یہ قاسم حنفی شیخ ابن الہمام اور حافظ ابن حجر کے بلند پایہ شاگرد، جلیل القدر مصنف اور نوین صدی ہجری کے مشہور حافظ حدیث، و فقیہ حنفی، علامہ قاسم بن قطلوبغا ہیں، جن کا ذکر آزاد بلگرامی نے یون کیا

آن کہ از جمع حلقہ اعلام

ابن قطلوبغاست قاسم نام

اور جنھون نے متعدد کتابون (مثلاً عوارف المعارف، الاختیار شرح المختار، اصول بزدوی، تفسیر ابی اللیث، منہاج الاربعین، الاربعین فی اصول الدین، جواہر القرآن، بدایۃ الہدایۃ، اور شرح العقائد) کی تخریج احادیث لکھی ہے اور امام عراقی و امام زیلعی جن احادیث کی تخریج میں ناکام رہے ہیں، ان کی تخریج کر کے ان دو کتابون کا تکملہ لکھا ہے، ایک کا نام اتحاف الاحیاء بمافات العراقی من تخریج احادیث الاحیاء اور دوسری



کا منیۃ الالمعی بمافات الزیلعی ہے، ان کے شاگرد علامہ سخاوی نے الضوء اللامع میں ان کا مطول ترجمہ درج کیا ہے، اور لکھا ہے، کہ یعرف بقاسم الحنفی یعنی قاسم حنفی کے نام سے معروف ہیں، سخاوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ حافظ ابن حجر نے ان کو الامام العلامۃ المحدث الفقیہ الحافظ کے القاب سے یاد کیا ہے، اور اعتراف کیا ہے کہ علامہ قاسم نے میری کتاب اشباہ کے پڑھنے کے دوران میں خود مجھکو فائدہ پہنچایا، اور نئی باتین بتائین، اور بہت سی جگہ مجھکو متنبہ کیا، تو مین نے اصل کتاب میں ان کی تنبیہات و فوائد کا اضافہ کر لیا، جس سے میری کتاب کی نورانیت بڑھ گئی، (ضوء اللامع ص ۱۸۵ جلد ۶)

اس عبارت کے حل ہو جانے سے اس نسخہ کی یہ عظیم الشان خصوصیت ظاہر ہوئی کہ وہ علامہ قاسم کے مطالعہ میں رہ چکا ہے، اور اس پر خود ان کے دستِ مبارک کی تعلیقات ہیں،

درایہ اب سے بہت پہلے ہمارے ہم وطن عالم مولانا محمد علی ابو المکارم صاحب مرحوم کی سعی و اہتمام سے ۱۲۹۹ھ میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اس مضمون میں زیر نظر نسخہ سے علامہ قاسم کے تعلیقات بھی نقل کر دین، تا کہ مطبوعہ نسخہ کا مطالعہ کرنے والے حضرات ان تعلیقات کو بھی پیشِ نظر رکھین، اور حافظ ابن حجر کی وسعتِ نظر کے اعتراف کے ساتھ ساتھ فوق کل ذی علم علیم کے یقین و اذعان سے بھی ذہول نہ ہو،

## تعلیقات علامہ قاسم علی الدرایۃ

۱- حدیث لا نکاح الا بشہود کی نسبت حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے لم ارہ بھذا اللفظ (مین نے ان لفظون کے ساتھ اس کو نہیں دیکھا ہے)، اس پر علامہ قاسم فرماتے ہیں، قلت اخرجہ محمد بن الحسن فی الاصل بلاغاً و وصلہ الخطیب من حدیث علی (مین کہتا ہون اس کو امام محمد نے اصل میں بلاغاً ذکر کیا، اور خطیب نے موصلاً حضرت علیؓ کی حدیث سے)

۲- حدیث الشیب تشادر کی نسبت حافظؒ کا ارشاد ہے لم ارہ بھذا اللفظ، اس پر علامہ قاسم

فرماتے ہیں، قلت روی الحارثی فی المسند من حدیث ابی ھریرۃ لا تنکح الثیب
حتی تشاور،

۳- ظہار کرنے والے کے حق میں ارشاد نبوی ہے، استغفر اللہ ولا تعد حتی تکفر، حافظ
فرماتے ہیں کہ اس کے کسی طریق میں میں نے استغفار کا ذکر نہیں پایا، علامہ قاسم فرماتے ہیں :-
قلت رواہ محمد بن الحسن بذکر الاستغفار من مرسل طاؤس ووصلہ
الحاکم بذکر ابن عباس،

۴- حدیث الخطیب کی نسبت حافظ ابن حجر نے لکھا ہے لم اجدہ، علامہ قاسم فرماتے ہیں:-
قلت رواہ الطبرانی فی الکبیر عنہا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تطیبی وانت محرمۃ ولا
تمسی الحناء فانہ طیب،

۵- ہدایہ میں ہے، لم یاذن علیہ السلام للمعتدۃ فی الاکتحال والدھن اس پر
حافظ فرماتے ہیں، اما الاکتحال فھو فی حدیث ام سلمۃ واما الدھن فلم اجدہ اس
مقام پر علامہ قاسم نے لکھا ہے، قلت قولہ فی الھدایہ والدھن سھو مبتدأ من
قبل نفسہ فانہ قال تنھی المعتدۃ عن الاکتحال والدھن لا یعری عن الطیب،

۶- ہدایہ میں ہو کہ حدیث فاطمہ بنت قیس کو حضرت زید و اسامہ نے بھی رد کر دیا تھا، حافظ فرماتے ہیں
اما حدیث زید بن ثابت واسامہ بن زید فلم اجدھما علامہ قاسم فرماتے ہیں قلت اما عن
اسامۃ بن زید رواہ الطحاوی،

۷- ہدایہ میں ہے نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن تعذیب الحیوان حافظ
فرماتے ہیں، لم اجدہ، علامہ قاسم نے لکھا، قلت الفقیہ یذکر الحدیث بالمعنی وقد روی
البخاری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن تصبر البھائم،



۸- ہدایہ میں ہے روی سعید بن المسیب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
امر بعتق امہات الاولاد وان لا یبعن فی دین ولا یجعلن من الثلث، حافظ ابن حجر
نے کہا لم اجدہ، علامہ قاسم فرماتے ہیں :- رواہ محمد بن الحسن فی الاصل

۹- بیع امہات الاولاد میں ہدایہ کی ایک حدیث کے لئے حافظ نے بیہقی کا حوالہ دیا ہے، اس پر
علامہ قاسم تحریر فرماتے ہیں، قلت ما رواہ البیہقی خلاف ما ذکرہ صاحب الھدایہ والذی
ذکرہ صاحب الھدایہ عند محمد فی الاصل،

۱۰- حدیث ادرؤا الحدود بالشبہات کی نسبت حافظ نے فرمایا لم اجدہ، علامہ قاسم
فرماتے ہیں، قلت رواہ الحارثی فی المسند من حدیث ابن عباس،

۱۱- ہدایہ میں ہے ومن زفت الیہ غیر امرأتہ وقال النسوۃ انہا زوجتک فوطئھا
فلا حد علیہا وعلیہ المہر قضی بذلک علی، حافظ نے یہاں لکھا لم اجدہ، علامہ قاسم نے
فرمایا قلت رواہ عبد الرزاق،

۱۲- حدیث لا قطع فی الطعام کی نسبت حافظ نے فرمایا لم اجدہ بھذا اللفظ، علامہ قاسم
فرماتے ہیں :- قلت رواہ بھذا اللفظ محمد بن الحسن فی الاصل،

۱۳- ہدایہ میں ہے وقد صح انہ علیہ السلام نھی قتل النساء والذراری اس پر حافظ نے
فرمایا لم اجدہ ھکذا، علامہ نے فرمایا قلت روی الحاکم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال
لرجل الحق خالدا ولا تقتلن ذریۃ ولا عسیفا،

۱۴- حدیث ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعطی الفارس سھمین والراجل
سھما کی نسبت حافظ نے فرمایا لم اجدہ، علامہ قاسم حنفی نے اس پر لکھا ہے، قلت رواہ محمد بن الحسن
فی الاصل وابو یوسف فی کتاب الخراج وابو یعلی الموصلی فی مسندہ،

۱۵- حدیث اِنَّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یاکل من صدقتہ (والمراد وقفہ) کی نسبت حافظ نے لکھا لم اجدہ علامہ قاسم نے فرمایا قلت رواہ الخصاف فی کتاب الاوقاف،

۱۶- حدیث من اشتری ارضا فیہا نخل فالثمرۃ للبائع الا ان یشترط المبتاع کے باب میں حافظ نے فرمایا لم اجدہ علامہ قاسم لکھتے ہیں قلت فی الطبرانی من حدیث ابن عمران رجلا باع ارضا فیہا ثمرتہا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الثمرۃ للذی ابرہا الا ان یشترط المبتاع،

۱۷- حدیث: لا تاخذ الا سلمک اوراس مالک کے حق میں حافظ نے کہا لم اجدہ علامہ قاسم نے فرمایا قلت رواہ الدارقطنی بلفظ من اسلف فی شیء فلا یاخذ الا ما اسلف فیہ اوراس مالہ،

۱۸- حدیث: لا تقبل شہادۃ الولد لوالدہ ولا الوالد لولدہ ولا المرأۃ لزوجہا ولا الزوج لامرأتہ ولا العبد لسیدہ ولا المولی لعبدہ ولا الاجیر لمن استاجرہ کی نسبت حافظ نے فرمایا لم اجدہ علامہ نے اس پر کہا، قلت رواہ الخصاف فی کتاب ادب القضاء من حدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا،

۱۹- ہدایہ میں ہے: عن علی لا یجوز شہادۃ علی شہادۃ رجل الا شہادۃ رجلین حافظ نے فرمایا لم اجدہ علامہ قاسم نے اس کا یوں پتہ بتایا، قلت اخرجہ محمد فی الاصل بلاغا عنہ،

۲۰- حدیث عمر اذا اقر المریض بدین جاز ذالک علیہ فی جمیع ترکتہ کی نسبت حافظ ابن حجر نے لکھا لم اجدہ اس پر علامہ قاسم نے لکھا قلت رواہ محمد بن الحسن فی الاصل عن



ابن عمر، واللہ اعلم،

۲۱- حدیث ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجاز العمری ورد الرقبی کو حافظ نے لکھا لم اجدہ علامہ نے لکھا: قلت رواہ الامام محمد بن الحسن فی الاصل بہذا اللفظ،

۲۲- ضمان اجیر کے باب میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اثر کو حافظ نے لکھا کہ لم اجدہ علامہ قاسم نے تحریر فرمایا کہ قلت رواہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ ومحمد بن الحسن فی الاصل،

۲۳- حدیث لیس للنساء من الولاء الا ما اعتقن او اعتق من اعتقن او کاتبن او کاتب من کاتبن او دبرن او دبر من دبرن او جر ولاء معتقہن کی نسبت حافظ نے فرمایا لم اجدہ ہکذا اس پر علامہ قاسم نے فرمایا قلت فی مسند رزین عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال میراث الولاء للاکبر من الذکور ولا یرث النساء من الولاء الا ولاء من اعتقن او اعتق من اعتقن،

۲۴- حدیث کان عمر اذا رأی جاریۃ متقنعۃ علاہا بالدرۃ وقال القی عنک الخمار یا دفار اتتشبہین بالحرائر حافظ ابن حجر نے فرمایا لم اجدہ اس پر علامہ قاسم نے لکھا: قلت تقدم فی شروط الصلوۃ انہ لم یعرف منہ الا یا دفار ولا یتوقف الحکم علیہ واللہ اعلم،

۲۵- حدیث: من آجر ارض مکۃ فکانما اکل الربا کی نسبت حافظ نے فرمایا، ہذا کانہ تصحیف من قولہ فانما یاکل نارا، اس پر علامہ قاسم نے تحریر فرمایا، قلت رواہ الدارقطنی بلفظ اکل الربا

۲۶- حدیث حریم العین خمس مایۃ ذراع وحریم بیر العین[1] اربعون ذراعاً و حریم بیر الناضح ستون ذراعاً کے باب مین حافظ ابن حجر کا ارشاد ہے، لم اجدہ ھکذا، علامہ قاسم فرماتے ہین، رواہ ھکذا الامام محمد بن الحسن،

۲۷- ہدایہ مین ہے وتعلیم الکلب ان یترک الاکل ثلاث مرات وتعلیم البازی ان یرجع ویجیب اذا دعوتہ وھو ماثور عن ابن عباس، اس پر حافظ نے لکھا لم اجدہ، علامہ قاسم فرماتے ہین رواہ محمد بن الحسن فی کتاب الآثار،

۲۸- ہدایہ مین ہے اجمع الصحابۃ علی ان الرھن مضمون واختلفوا فی کیفیتہ حافظ نے لکھا لم اجدہ مگر اس کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کے آثار نقل کئے، اس پر علامہ قاسم نے فرمایا قلت قد شرح المؤلف ما قال انہ لم یجدہ،

۲۹- حدیث لا یعقل العواقل عمداً ولا عبداً ولا صلحاً ولا اعترافاً کی نسبت حافظ ابن حجر نے فرمایا، لم اجدہ مرفوعاً الا ماروی الخ اس پر علامہ قاسم نے لکھا ساقہ مرفوعاً رزین العبدری فی مسندہ،

مین نے اس نسخہ کی اطلاع علامہ زاہد کوثری کو دی تو انھون نے اس کو فاخرۃ جداً قرار دیا، اور منیۃ الالمعی بما فات الزیلعی کے ساتھ تعلیقات قاسم حنفی کو منگوا کر چھپوا رہے ہین،

---

[1] ھکذا فی الاصل والصواب بئر العطن،





# شہاب الدین محمود آلوسی

از

جناب حافظ مولوی مجیب اللہ صاحب رفیق دار المصنفین

تفسیر روح المعانی ابھی حال ہی یعنی تیرہوین صدی کے وسط کی تصنیف ہے لیکن مقبولیت کے لحاظ سے اس کو بہت سی متقدم تفسیرون پر بھی فوقیت حاصل ہے، یہ کتاب مصنف نے بارگاہ قدس کے اشارۂ غیبی پر تصنیف کی تھی، تفسیر کے مقدمہ مین اس کی پوری تفصیل موجود ہے،

مصنف کے نام اور اُن کی تفسیر سے تو عام طور سے اہل علم واقف ہین، مگر ان کی دوسری تصانیف اور اُن کے سوانح حیات سے کم لوگون کو واقفیت ہے، اس لئے اردو مین ان کے حالات لکھنے کی ضرورت تھی لیکن افسوس ہے کہ مصنف کی شخصیت اور اُن کے علمی کارنامون کی اہمیت کے لحاظ سے اُن کے حالات بہت کم ملتے ہین، تلاش سے جو معلومات حاصل ہو سکے ہین، وہ پیش کش ناظرین ہین،

**خانوادۂ آلوسیین** آلوس عراق مین ایک بستی ہے جو دریائے فرات کے ساحل پر واقع ہے[1] یہ قدیم آبادی ہے، دوسری تیسری صدی ہجری مین اس کی حیثیت ضلع کے مرکزی مقام کی تھی، اس کی جانب بہت سے علماء و فضلاء بھی منسوب ہین، معجم البلدان مین اس کا مفصل تذکرہ موجود ہے، لیکن اس وقت اس کی حیثیت ایک قصبہ سے زیادہ نہین ہے، تیرہوین صدی مین یہان کے ایک خاندان نے علم و فضل مین بڑی شہرت و ناموری حاصل کی، اس خانوادہ کو عام طور پر خانوادۂ آلوسیین کہا جاتا ہے، یہ خاندان علم و فضل کے لحاظ سے پورے

---

[1] معجم المطبوعات جلد ۱ صفحہ ۳،

عراق میں ایک خاص حیثیت کا مالک تھا، اور پورے اہلِ عراق کا مرجع علم تھا، صاحبِ روح المعانی اسی خاندان کے ایک فرد تھے،

**نام ونسب اور ابتدائی حالات** شہاب الدین محمود نام، ابو عبد اللہ کنیت تھی، ۱۵ شعبان بروز جمعہ ۱۲۱۷ھ کو آلوس میں پیدا ہوئے، اُن کے والد کا نام عبد اللہ صلاح الدین تھا، جو بڑے صاحب علم و فضل تھے، انہی کی آغوش فیض میں اُن کی ابتدائی تعلیم و تربیت ہوئی، صاحبزادہ کو عربی ادب، فقہ، اور منطق کی متوسط تعلیم دینے کے بعد وہ عراق کے دوسرے علماء کی خدمت میں لے گئے، جن سے انہوں نے تکمیل کی، اُن کے اساتذہ کے متعلق صاحبِ جلاء العینین[1] نے صرف اتنا لکھا ہے کہ

اخذ العلوم عن علماء المحققین واجلاء مدققین، (صفہ ۳۲)

انھون نے محقق علماء اور اہلِ نظر فضلاء سے علم حاصل کیا،

لیکن کسی کے نام کی تصریح نہیں کی ہے، الاب لویس شیخو نے اپنی کتاب آداب العربیہ میں اُن کے ایک استاذ علاء الدین متوفی ۱۲۲۳ھ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

علاء الدین واحد شیوخ شہاب الدین آلوسی،

آلوسی کے شیوخ میں ایک شیخ علاء الدین بھی تھے،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اور بھی شیوخ تھے،

**ذہانت اور قوت حافظہ** بچپن ہی سے نہایت ذہین و فطین تھے، حافظہ بھی غیر معمولی پایا تھا، جلاء العینین میں ہے،

وکان ذا حافظۃ غریبۃ وفطنۃ عجیبۃ (صفہ ۳)

عجیب وغریب ذہانت اور حافظہ پایا تھا،

[1] جلاء العینین کے مصنف شیخ آلوسی کے صاحبزادے ہیں،



قوتِ حافظہ کا خود ان کے بیان کے مطابق یہ حال تھا،

ما استودعت ذھنی شیئا فخاننی[1]

ایسا نہیں ہوا کہ میں نے اپنے ذہن میں کوئی بات رکھی ہو، اور وہ پھر ذہن سے نکل گئی ہو،

اسی غیر معمولی ذہانت کا نتیجہ تھا کہ ۱۳ برس کی عمر میں ابن ہشام کی کتاب شرح قطر الندی پر حاشیہ لکھا،[2] ابھی بیس برس سے بھی کم عمر تھی کہ مسند درس کے زینت بنے، اور اسی زمانہ میں صاحبِ تصنیف بھی ہوئے، جلاء العینین میں ہے،

وقد الف ودرس وھو دون العشرین (ص ۲۷)

بیس برس سے کم ہی کے تھے، کہ صاحبِ درس و تصنیف ہو گئے،

**تلامذہ** ابتداءِ عمر سے لے کر آخر عمر تک افادہ و تعلیم کا سلسلہ برابر جاری رہا، اس مدت میں ہزاروں تشنگانِ علم اُن کے چشمۂ فیض سے سیراب ہوئے ہوں گے، لیکن افسوس ہے کہ ان کا مفصل تذکرہ نہیں ملتا، اُن کے صاحبزادہ کا بیان ہے کہ

وانتفع بہ خلق کثیر، (جلاء ص ۳)

اُن سے ایک مخلوق نے استفادہ کیا،

متفرق طور پر حسب ذیل تلامذہ کے نام ملتے ہیں،

۱-ان کے دو صاحبزادے عبد الباقی سعد الدین (۲) خیر الدین ابو البرکات جو اپنے وقت کے جید علماء میں تھے اور متعدد تصانیف یادگار چھوڑی ہیں، جلاء العینین خیر الدین ابو البرکات ہی کی تصنیف ہے (۳) الشیخ عبد الفتاح شواف زادہ، ان کو حدیث و فقہ اور عربی ادب سے زیادہ دلچسپی تھی، ادب کی تعلیم خاص طور سے انھون نے شیخ آلوسی سے حاصل کی تھی، اُن کی متعدد تصانیف ہیں، حدیقۃ الورد کے نام سے دو جلدوں میں شیخ آلوسی کی سوانح حیات بھی لکھی ہے، کاش یہ کتاب مل جاتی تو شیخ کے مفصل

[1] جلاء العینین ص ۲۷ [2] آداب العربیہ ج ۱ ص ۷۸ [3] معجم المطبوعات،

حالات اور کارنامے سامنے آجاتے (۴) محمد الاخفش، یہ شیخ کے خاص تلامذہ میں تھے، ان کی تحریری یادگاروں میں شرح الفیہ زیادہ مشہور ہے (۵) عبد الفتاح الاخرس انھوں نے شیخ سے اور کتابوں کے علاوہ کتاب سیبویہ خاص طور سے پڑھی تھی[۱]،

**افتا** اس علم و فضل کے باوجود عام مجالس وعظ میں جانا پسند نہیں کرتے تھے، سنہ ۱۲۵۰ھ میں اُن کو جامع بغداد میں وعظ کے لئے بلایا گیا، تو بہت بار خاطر ہوا، جب زیادہ اصرار کیا گیا تو بکراہت گئے، اس وعظ میں والی بغداد بھی موجود تھا، وہ بہت متاثر ہوا، اور اس کو اسی دن سے شیخ سے ایک خاص عقیدت ہو گئی، اور اس کے بعد سے وہ برابر ان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور بعد میں بغداد کے مفتی کی حیثیت سے اُن کا تقرر کر دیا، شیخ نے ۱۵ برس تک یہ خدمت نہایت حُسن و خوبی کے ساتھ انجام دی[۲]،

**وفات** ۵ ذی الحجہ ۱۲۷۰ھ کو ۵۳ برس کی عمر میں وفات پائی، اور حضرت شیخ معروف کرخی کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے، ..... وفات کا صدمہ خواص اور عوام سب کو ہوا، آج بھی آپ کی قبر زیارت گاہ عام و خاص ہے[۳]، متعدد شعرا نے طویل مرثیے لکھے، زندگی میں شعراء نے جو مدائح لکھے، اور موت کے بعد جو مراثی کہے گئے، ان سب کو ابن لویس نے کتابی شکل میں جمع کر دیا ہے[۴]، اس سے ان کی مقبولیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے،

**اولاد و احفاد** ان کے دو صاحبزادوں عبد الباقی اور خیر الدین کا ذکر اوپر آچکا ہے، اُن کے علاوہ ایک اور صاحبزادے عبد اللہ بہاء الدین تھے، دوسرے بھائیوں کی طرح یہ بھی صاحب علم تھے، اُن کے صاحبزادے (یعنی شیخ آلوسی کے پوتے) ابو المعالی متوفی ۱۳۴۲ھ نے علم و فضل میں باپ سے بھی زیادہ شہرت حاصل کی، متعدد قیمتی تصانیف یادگار چھوڑیں، ان میں بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب بہت مشہور ہے، اور چھپ کر شائع ہو چکی ہے،

**اخلاق و عادات** شیخ کے صاحبزادے نعمان نے ان کے ظاہری و باطنی محاسن کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:

| | |
|---|---|
| وکان حُسن المنظر والمحاضرۃ | نہایت خوبصورت اور خوش گفتار، متقی اور |

---

[۱] یہ پچھلے تینوں آدمیوں کا ذکر آداب العربیہ میں ہے جلد ۳ ص ۹۳ تا ۹۵ [۲] معجم المطبوعات ص ۳ [۳] جلاء العینین ص ۲۵ [۴] آداب العربیہ



| | |
|---|---|
| والصفا کہفۃ ورعاً تقیا عفیفا (جلاء ص ۲۵) | پرہیز گار اور پاک دامن تھے، |

صاحب حدیقۃ الورود لکھتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| کریماً اللذات بدیع الاخلاق | کریم النفس اور اخلاق میں نادر روزگار تھے، |

اور حج اللہ کے مصنف کا بیان ہے،

| | |
|---|---|
| ولم یسمع بمثلہ فی کافۃ الاقالیم | بہت دنوں سے ان ممالک میں ایسا صاحب علم |
| منذ سنین عدیدۃ مع تقویٰ | و فضل سننے میں نہیں آیا، اس علم و فضل کے |
| وصلاح ودیانۃ قویۃ وسخاءُ | ساتھ صلاح و تقوی، راست بازی اور |
| وکرم وصدقات خفیۃ | سخاوت اور پوشیدہ صدقات کرنے میں وہ |
| (جلاء ص ۲۵) | اپنی مثال تھے، |

**فضل و کمال** شیخ آلوسی کے علم و فضل کا صحیح اندازہ تو اُن کی تصانیف ہی سے ہو سکتا ہے لیکن انکے معاصرین بھی اُن کے کمالات کے معترف تھے،

لویس شیخو نے لکھا ہے،

| | |
|---|---|
| کلف بالعلوم منذ حداثۃ | اوائل عمر ہی سے اُن کو علوم سے دلچسپی اور |
| سنہ و بذل النفس والنفیس | لگاؤ تھا اور علمی جواہر پاروں کے جمع کرنے میں |
| فی احراز جواھرھا فی ان رغبتہ | انھوں نے اپنی جان و مال ہر چیز لگا دی |
| فی طلب المعارف شغلتہ عن | تھی، طلب علم کی رغبت و شوق نے ان کو |
| حطام الدنیا وانستہ ھناء | اپنی طرف اتنا مشغول کر لیا کہ وہ زخارف |
| العیش وملاذ الحیاۃ و برز | دنیوی اور لذت و آرام سے بھی بے نیاز ہو گئے، |
| بالعلوم الدینیۃ فصار اماماً | اس ذوق و شوق کا نتیجہ یہ ہوا کہ علوم دینیہ |

فی التفسیر والافتاء وکان مع ذلک کاتباً بلیغاً [1]

میں اُن کو پورا کمال حاصل ہوگیا، چنانچہ تفسیر اور افتاء میں اُن کی حیثیت امام کی ہوگئی، اسی کے ساتھ انشا پردازی اور بلاغت میں بھی کمال حاصل تھا،

صاحب حدیقۃ الورود جو اُن کے شاگرد ہیں لکھتے ہیں،

کشاف رموز الحقائق وغواص بحر الدقائق، علامۃ الفضلاء وحید الدھر بالاتفاق، خاتم المفسرین وسعد المحققین وفخر علماء المسلمین الواصل الی رتبۃ الاجتہاد ذکرہ فی البلاد (جلاء ص ۲۷)

حقائق علم کا راز فاش کرنے والے اور بحر معانی کے غواص تھے، اہل فضل کی نشانی اور بالاتفاق نادرۂ روزگار تھے، خاتم المفسرین اور اہل تحقیق اور علمائے اُمت کیلئے سعادت اور فخر کا موجب تھے، اُن کو اجتہاد کا رتبہ حاصل تھا، تمام ممالک میں ان کا چرچا ہے،

صاحب اریج الند کا جو شیخ کے شاگرد ہیں، بیان ہے،

وکان نادرۃ الاوان حصّل العلوم النقلیۃ والعقلیۃ فتفرد بھا ودرس العربیۃ والبیان والحدیث والتفسیر ووقف علی غامضۃ العسیر... ولم یسع

نادرۂ روزگار تھے، انھوں نے علوم نقلیہ اور عقلیہ کی تحصیل کی اور اس میں تفرد حاصل کیا، ادب عربی، معانی وبیان تفسیر وحدیث کا درس دیا، اور انھی علوم کی مشکلات حل کرتے رہے،........

[1] آداب العربیہ ج ۲ ص ۸۵،



بمثلہ فی کافۃ الاقالیم (ص ۲۷)

اُن کے جیسا نادرۂ روزگار سننے میں نہیں آیا،

**عربی نظم ونثر**

عربی نظم ونثر دونوں پر پوری قدرت تھی، نثر میں ان کی قدرت پر ان کی تصانیف شاہد ہیں صاحب آداب العربیہ ان کی تحریر کے متعلق لکھتے ہیں،

کان السید محمود سریع الخاطر ونسیج وحدہ فی قوۃ التحریر وسھولۃ الکتابۃ (ج ۴ ص ۸۵)

شیخ محمود نہایت ذکی الفہم اور اپنے انداز تحریر اور عبارت کی سلاست وروانی میں منفرد تھے،

جلاء العینین میں ہے :-

والنثر العجیب الذی لم یسبق حسن اسلوبہ (ص ۳۲)

ایسی اچھوتی نثر لکھتے تھے، کہ اُن کے اسلوب تحریر کی مشکل ہی سے تقلید کیجا سکتی تھی،

عربی شعر وشاعری کا بھی نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ مذاق تھا : نثر کی طرح ان کی نظم میں بھی دو خصوصیتیں یعنی رقت وسلاست زیادہ نمایاں ہیں، نمونۃً چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں، ایک موقع پر عراق کے چھوٹنے پر کہا ہے،

اھیم بآثار العراق وذکرہ — وتغدو عیونی من مسرتھا عبری

والثم اخفافاً وطئن ترابہ — واکحل اجفاناً بتربتہ العطری

واسھر ارعی فی الدیاجی کواکباً — تمر اذا سارت علی ساکنی الزورا

بغداد کی تعریف اور اس کے فراق میں کہتے ہیں،

ارض اذا مرت بھا ریح الصبا — حملت من الارجاء مسکاً اذفرا

لا تسمعن حدیث ارض بعدھا — یروی فکل الصید فی جوف الفرا

فارقتھا لا عن رضی وھجرتھا — لا عن قلی ورحلت لا متخیرا

لکنھا شاقت علی برجھا لما رایت بھا الزمان تنکرا

آخری شعر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بغداد کو انھوں نے خوشی سے نہیں ، بلکہ حالات سے مجبور ہو کر چھوڑا،

**علم نحو** نحو ان کا خاص فن تھا، اوپر ذکر آچکا ہے کہ کتاب سیبویہ خاص طور سے وہ پڑھایا کرتے تھے، اس فن سے اُن کی دلچسپی کا اندازہ اُن کی تفسیر سے ہوتا ہے، اس میں نحو کے جو مسائل آئے ہیں اگر ان کو الگ کر لیا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو سکتی ہے،

**امر بالمعروف** امر بالمعروف اور نہی عن المنکر علماء کا خاص فریضہ ہے، شیخ آلوسی کو اس فرض کا پورا احساس تھا، اور وہ درس میں علمی و دینی خدمت کے ساتھ اس فریضہ کو بھی انجام دیتے تھے، ان کے صاحبزادے نعمان اُن کی خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

والامر بالمعروف والنھی عن المنکر والذب عن السنۃ (جلاء ص۳۲)

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور سُنّت نبوی کی طرف سے مدافعت بھی ان کی خاص خصوصیت تھی، (جلاء ص۳۲)

**مسلک** پورا خانوادہ آلوسیین شافعی المسلک تھا، اس لئے شیخ آلوسی بھی شافعی تھے لیکن ان میں تشدد نہیں تھا، چنانچہ بعض مسائل میں وہ حنفی مسلک کے پابند تھے، شاید اسی وسعت کا نتیجہ تھا کہ عہدہ افتاء پر ان کا تقرر ایک حنفی مفتی کی حیثیت سے ہوا تھا،[۱]

**تصانیف** شیخ کا اصل کارنامہ ان کی بیش بہا تصانیف ہیں، جن کی ... اہمیت انکی کمیت کی وجہ سے نہیں بلکہ معنوی کیفیت کے لحاظ سے ہے، اور اس کا اندازہ ان کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے، اس لئے اس مضمون میں صرف اُن کے نام اور مختصر تعارف پر اکتفا کیا جاتا ہے،

[۱] معجم المطبوعات ص۶۔



قیل انہ کان لا ینقص تالیفہ فی
الیوم واللیلۃ عن اقل من ورقتین
کبیرتین (ص۵)

صاحب جلاء العینین نے اُن کی ۱۰ تصانیف کا ذکر کیا ہے، ان میں سے ۱۳ مطبوعہ ہیں،

۱- الاجوبۃ العراقیہ عن الاسئلۃ الایرانیہ :- ایران کے علمائے شیعہ نے چند سوالات کئے تھے، یہ کتاب اسی کے جواب میں لکھی گئی ہے، ۱۳۱۶ھ میں آستانہ سے شائع ہو چکی ہے،

۲- الاجوبۃ العراقیۃ عن اسئلۃ اللاھوریہ :- یہ بھی چند سوالات کے جواب میں لکھی گئی ہے لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ اس کا موضوع کیا ہے، اس کا سنہ تصنیف ۱۲۵۳ھ ہے، بغداد سے ۱۳۰۱ھ میں شائع ہو چکی ہے، اس کتاب کی ضخامت ۶۵ صفحات ہے،

۳- قطر الندی :- فن نحو کی کتاب ہے، ابن ہشام نحوی متوفی ۷۶۱ھ کی تصنیف ہے، خود اس نے اس کتاب کی شرح بھی لکھی ہے، اس کتاب کی صاحب کشف الظنون نے بڑی تعریف کی ہے، اس پر متعدد حواشی لکھے گئے ہیں، شیخ آلوسی نے بھی اس پر حاشیہ لکھنا شروع کیا تھا، مگر پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا، صرف باب الحال تک لکھ پائے تھے کہ انتقال ہو گیا انکے بعد انکے صاحبزادے نعمان نے اسے پورا کیا، ۱۳۲۰ھ میں بیت المقدس سے شائع ہو چکی ہے،

۴- الخریدۃ الغیبیہ فی تفسیر قصیدۃ العینیہ، عبد الباقی موصلی نے حضرت علیؓ کی مدح میں ایک قصیدہ عینیہ لکھا تھا، مصنف نے اس کی تشریح کی ہے، قصیدہ مع تشریح ۱۲۷۰ھ میں مصر سے شائع ہو چکا ہے، اس کی ضخامت ۱۵۶ صفحات ہے،

۵- سفرۃ الزاد لسفرۃ الجہاد :- یہ جہاد سے متعلق ہے، ۱۲۷۰ھ میں مطبع دار السلام مصر نے اُسے شائع کیا ہے،

۶- الطراز المذہب شرح قصیدۃ الباز الاشہب: عبد الباقی عمری کے ایک قصیدہ کی شرح ہے، مطبع جریدۃ الفلاح نے ۱۳۱۳ھ ہجری میں اسے شائع کیا ہے، اسکی ضخامت ۱۹۶ صفحات ہے،

۷- غرائب الاغتراب ونزھۃ الالباب: مصنف نے فلسطین کا سفر کیا تھا، اس میں اسی سفر کے حالات ہیں، اسی میں ان تمام علماء و صلحاء کے حالات بھی لکھ دیئے ہیں، جن سے انھوں نے اثنائے سفر میں ملاقات کی تھی، ۱۳۲۷ھ میں بغداد سے یہ سفرنامہ شائع ہو چکا ہے، کتاب کے شروع میں احمد شاکر آلوسی کے قلم سے مصنف کا ترجمہ بھی ہے، اسکی ضخامت ۱۵۴ صفحے ہیں،

۸- الفیض الوارد: سید محمد جواد نے اپنے شیخ الشیوخ خالد الکروی النقشبندی کا ایک طویل مرثیہ والیہ لکھا تھا، یہ اس کی شرح ہے، ۱۳۱۷ھ میں مطبع کاستلیہ نے شائع کیا، ضخامت ۴۴ صفحے ہیں،

۹- کشف الطرۃ عن الغرۃ درۃ الغواص فی اوھام الخواص، ابو محمد قاسم الحریری متوفی ۵۱۶ھ کی تصنیف ہے، اس کتاب میں مصنف نے خواص کے معائب، اور اُن کے اوہام باطلہ پر بڑی اچھی بحث کی ہے، اس کتاب کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں، دو شرحیں نظم میں بھی کی گئی ہیں، شیخ آلوسی نے بھی کشف الطرہ کے نام سے اس کی شرح لکھی ہے، یہ کتاب دمشق سے ۱۳۰۱ھ میں شائع ہو چکی ہے، کتاب کے شروع میں شیخ کے صاحبزادے نعمان آلوسی کا ایک مقدمہ بھی ہے، کتاب کی ضخامت ۱۰۴ صفحات ہے،

۱۰- المقامات الخیالیہ: یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کتاب کس موضوع پر ہے، بغداد [illegible] سے شائع ہو چکی ہے،

۱۱- نشوۃ الشمول: یہ سفرنامہ ہے ۱۲۶۷ھ میں مصنف نے استنبول کا سفر کیا تھا، اس میں اسی سفر کے حالات ہیں،



۱۲- نشوۃ المدام فی العود الی مدینۃ السلام: یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ اس کا موضوع کیا ہے، غالباً یہ سفر سے واپسی پر بغداد کے متعلق کچھ لکھا ہے، واللہ اعلم، یہ کتاب دو بار بغداد سے شائع ہو چکی ہے،

۱۳- تفسیر روح المعانی: اُن کی زندگی کا اصلی اور سب سے اہم علمی اور دینی کارنامہ یہی تفسیر ہے، اس کی تالیف ۱۲۵۲ھ میں جب کہ مصنف کی عمر ۳۴ برس کی تھی، شروع ہوئی، اور ۱۲۶۷ھ میں اختتام کو پہنچی، یہ کتاب دوبار چھپ چکی ہے،

کتاب کے شروع میں مصنف نے لکھا ہے کہ نوجوانی ہی میں قرآن کے بہت سے حقائق و معارف اُن پر منکشف ہونے لگے، اور بہت سے دقائق اُن کے ذہن میں ایسے آئے، جو متداول تفسیروں میں نہیں تھے، چنانچہ ان کو ان دقائق و معارف کے قلمبند کرنے کا خیال پیدا ہوا، ابھی وہ اس ادھیڑبن ہی میں تھے کہ ایک رات خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین و آسمان کے لپیٹنے اور اس میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے، اس کو پُر کرنے کا حکم دے رہا ہے، اسی حالت میں انھوں نے اپنا ایک ہاتھ آسمان کی طرف اور دوسرا پانی کی طرف بڑھایا، اُس کے بعد آنکھ کھل گئی، اور تفسیر لکھنے میں جو کچھ تامل و تردد تھا، وہ رفع ہو گیا، اور انھوں نے اس کام کو شروع کر دیا،

کتاب کے شروع میں ۵ فائدے دیئے ہیں جن میں تفسیر کے تمام اہم مسائل آ گئے ہیں، مثلاً تفسیر و تاویل، تفسیر بالرای، اسرار قرآن، کلام اللہ غیر مخلوق، حروف سبعہ، جمع و ترتیب قرآن، اعجاز القرآن وغیرہ مباحث پر مختصر طور سے اچھی بحث کی ہے، پوری تفسیر ۳۰ حصوں میں ہے،

**اس خاندان کے دوسرے اکابر**

شیخ کے صاحبزادوں کا ذکر اوپر آ چکا ہے، جن میں ہر ایک صاحب علم و فضل تھا، اُن کے دو پوتوں نے بھی اس لحاظ سے بڑی ترقی کی، ان میں ایک ابو المعالی محمود شکری ہیں جن کا تذکرہ اوپر آ چکا ہے، دوسرے علی علاء الدین ہیں، جنھوں نے پوری زندگی علم دین کی تدریس میں گذار دی تھی،

تحریری یادگارین بھی چھوڑی ہین، ۱۲ دین اور تیرہوین صدی کے اکابر کا ایک تذکرہ لکھنا شروع کیا تھا، مگر وہ پایۂ تکمیل کو نہین پہنچ سکا، اس کے علاوہ نحو مین ایک کتاب لکھی ہے، جو چھپ گئی ہے، ۱۲۶۰ھ مین پیدا ہوئے، اور ۱۳۲۰ھ مین وفات پائی،

شیخ آلوسی کے دو بھائی عبد الحمید اور عبد الرحمان بھی اپنے زمانہ کے ممتاز علماء مین گذرے ہین، عبد الرحمن نہایت فصیح و بلیغ تھے، خطابت مین خاص طور سے مشہور تھے، اس کے علاوہ کرخت کی جامع مسجد مین زندگی بھر درس و تدریس کا کام کرتے رہے، ۱۲۸۱ھ مین وفات پائی، دوسرے بھائی عبد الحمید نابینا تھے، لیکن اپنے وقت کے بہترین ادباء و شعراء مین ان کا شمار ہوتا تھا، نہایت مقبول عوام تھے، ایک آدھ تحریری یادگارین بھی چھوڑی ہین، ۱۳۲۳ھ مین وفات پائی،

---

# نوائے حیات

## طبع دوم

جناب یحییٰ اعظمی کا مجموعۂ کلام نوائے حیات جس سے ناظرین معارف اور دوسرے اصحاب ذوق پوری طرح واقف ہین، دوبارہ چھپ گیا ہے، اس اڈیشن مین بہت سی نئی غزلون اور نظمون کا اضافہ ہے، اور اب یہ مجموعہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہو گیا ہے، اس کے شروع مین مولانا سید سلیمان ندوی کے قلم فیض رقم سے ایک مبصرانہ مقدمہ ہے،

ضخامت :- ۲۱۴ صفحے،

قیمت :- مجلد للعہ غیر مجلد ہے

"منیجر"



# تلخیص وتبصرہ

## ہندوستان کے مسلمان حکمرانون کے عہد کی ایک جھلک

"پروفیسر رام پرشاد کھوسلا، ام اے (پنجاب) بی اے (آکسن) پنجاب کے رہنے والے تھے، اور پٹنہ یونیورسٹی مین تاریخ کے پروفیسر تھے، تاریخ ہند پر اُن کی ایک کتاب Mughal Kingship and Nobility ۱۹۳۴ء مین انڈین پریس الٰہ آباد سے شائع ہوئی تھی، اس کے خاتمہ مین انھون نے جو کچھ لکھا ہے، وہ موجودہ جمہوری، اور سیکولر حکومت کے زمانہ مین مطالعہ کے لائق ہے، وہ لکھتے ہین، ص، ع"

نفسِ مسان بادشاہت | مغلون کی بادشاہت ہندوستان کے ازمنۂ وسطیٰ کے لئے بہتین طور پر فائدہ مند تھی، ان کی حکومت مطلق العنان ضرور تھی، لیکن انھون نے اس ملک کے باشندون کے قدیم حقوق مین کسی قسم کی مداخلت نہین کی، ان کی بادشاہت کے عیوب اپنی جگہ پر ہین، اور کوئی مطلق العنان حکومت کلیۃً باعث رحمت نہین ہو سکتی، لیکن مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مغلون کی بادشاہت اپنی شان و شوکت کے ساتھ اس زمانہ کے لئے بالکل مناسب تھی، اور اپنی خوبیون ہی کی وجہ سے یہ پر شکوہ حکومت ایک طویل مدت تک قائم رہی، اس خاندان مین مسلسل چھ ایسے بادشاہ گذرے جن کی شخصیتین بہت ہی اعلیٰ تھین، عام طور پر ان کی حکومت مین نرمی اور رحمدلی تھی، انھون نے کبھی اپنی فوجی قوت کو رعایا کی فلاح و بہبود سے لاپرواہ ہو کر استعمال نہین کیا، وہ کبھی لوگون کے نجی معاملات مین دخل نہین دیتے تھے، ملک کے رسم و رواج کو کسی قانون کے ذریعہ پس پشت نہین ڈالتے تھے، نظری طور پر ان کی حکومت مطلق العنان ضرور

تھی لیکن عملی طور پر بڑی ہی فیض رساں رہی،

**قیام امن**

پورے ملک میں ایک ایسا دبدبہ قائم تھا کہ دور دراز صوبوں کے حکام بھی اُن کے خوف سے سر اُٹھانے کی جرأت مشکل ہی سے کرتے تھے،

مغلوں کے زمانہ میں جب کہیں بدامنی ہوتی، تو سختی سے دور کی جاتی تھی، اس عہد کے حکمرانوں نے امن وامان قائم کرکے ملک کو کمزور حکومت اور متزلزل نظام سلطنت کی خرابیوں سے بچائے رکھا، اُن کو قوت واقتدار کی ہوس ضرور تھی، لیکن اسی کے ساتھ وہ رعایا کی فلاح وبہبود کے لئے بھی برابر کوشاں رہتے، اگر امراء کو شاہانہ سرپرستی میں ترقی ہوئی تو ادنی درجہ کے لوگوں کو بھی شاہانہ رعایا پروری کی بدولت خوشحالی نصیب ہوئی،

**کاشتکاروں کی محافظت**

حکومت کی جانب سے زراعت کی ترقی کے لئے بڑی کوشش اور نگرانی کی جاتی، آمدنی کا بڑا حصہ زمین ہی سے حاصل ہوتا تھا، اس لئے کاشتکاروں کی فلاح وبہبود کا بڑا دھیان رکھا جاتا تھا جب کسی علاقہ سے فوج گذرتی تو وہاں کی رعایا کی حفاظت کا پورا سامان کیا جاتا تھا، عبد الحمید لاہوری کا بیان ہے کہ شاہجہان (۱۶۳۳ء) میں لاہور جا رہا تھا، تو اُس نے بخشیوں کو حکم دیا کہ دو ہزار کو سے گرد راستہ کے ایک جانب کی حفاظت کریں اور میر آتش کو بندوقچیوں کے ساتھ راستے کی دوسری سمت تعینات کیا تاکہ شاہی فوج کھیتوں کی فصل کو نقصان نہ پہنچا سکے، لیکن یہ بھی احتمال تھا کہ اس انتظام کے باوجود فصل کو کچھ نہ کچھ نقصان ضرور پہنچ جائے گا، اس لئے پہلے ہی سے داروغہ مشرف اور امین مقرر کر دیئے تھے، کہ رعایا اور ایک ہزار سے کم کے جاگیرداروں کے نقصان کا معاوضہ دیا جائے، ایک بار شاہی فوج ۱۶۴۹ء میں قندھار کی طرف جا رہی تھی، جس سے غزنی میں کھیتوں کو بڑا نقصان پہنچا چنانچہ وہاں کے کاشتکاروں کو اس کے معاوضہ میں دو ہزار اشرفیاں دی گئیں، ہر بادشاہ کاشتکاروں کی بڑی پاسداری کرتا تھا، کیونکہ انہی پر حکومت کی اصلی آمدنی کا انحصار تھا،



**فنون کی ترقی**

صرف زراعت ہی کو شاہانہ سرپرستی حاصل نہیں تھی، بلکہ اس زمانہ میں دوسرے قسم کے آرٹ نے بھی بڑی ترقی کی، اور یہ ترقی بادشاہوں کی سرپرستی کے بغیر نہیں ہو سکتی تھی، یورپین سیاحوں نے اس زمانہ کے آرٹ کی بڑی تعریف کی ہے، جہانگیر کے عہد میں مصوری کو بڑا فروغ ہوا، پادری فرانکاڈ کارڈ کا بیان ہو کہ جہانگیر کے عہد میں ایسے باکمال مصور تھے کہ جو یورپ کی مصوری کے اعلیٰ سے اعلیٰ نمونوں کی نقل اس طرح اُتار لیتے تھے کہ اصل کا دھوکا ہوتا تھا،

ملک میں اعلیٰ قسم کے کپڑے بھی تیار ہوتے تھے، اس زمانہ کا مشہور کپڑا بافتہ ہالینڈ کے کپڑوں سے بہتر ہوتا تھا، اونچے طبقہ کے لوگ جو کپڑے پہنتے، ان میں طلائی اور نقرئی تار بھی استعمال کیا جاتا،

تعمیراتِ عامہ میں بڑی بڑی رقمیں خرچ کیجاتیں، ان تعمیرات کے نمونے آج بھی موجود ہیں، ملک کے ہر حصہ میں محلوں، مسجدوں، حماموں، مقبروں، قلعوں اور دوسری قسم کی عمارتوں کی تعمیر کثرت ہوتی رہی، شاہراہوں کے کنارے مسافروں کی راحت وآسایش کے لئے سرائیں اور مسافرخانے بنائے گئے، مغلیہ عہد کی شاندار عمارتوں کے دیکھنے کے لئے آج تک دنیا کے مختلف حصوں سے سیاح آتے رہتے ہیں،

**علوم کی سرپرستی**

مغل بادشاہ علوم کے بھی بڑے سرپرست تھے، اُن کی فیاضی کا شہرہ سُن سُن کر دوسرے ملکوں کے علماء وشعراء اُن کے دربار میں کھنچے چلے آتے تھے، ان بادشاہوں میں بعض خود بھی بلند پایہ اہلِ قلم تھے، بابر کی تزک ایک علمی شاہکار ہے، اکبر نے ملک الشعراء کا ایک نیا عہدہ قائم کیا، اور سب سے پہلے غزالی اس عہدہ پر فائز ہوا، آئینِ اکبری میں ابو الفضل کا بیان ہے کہ اکبر کے دربار میں ایران کے بہت سے ممتاز شعراء کا اجتماع ہو گیا تھا، ان میں سے بعض شعراء کے نام یہ ہیں، حکیم ثنائی، نظیری نیشاپوری، ہاتفی اصفہانی، جعفر بیگ قزوینی، خواجہ حسین ہروی، حیاتی گیلانی، انیسی، خسروی، وفائی، ذہنی غیرتی شیرازی، فسونی، نادری، قدسی، حیدری تبریزی، اشکی، فہمی، آذری، جذبی، سنجر کاشی، تشبیہی، تمری، قاسم ارسلان مشہدی، بابا طالب، بابا غیوری وغیرہ،

جہانگیر شاعر بھی تھا، اور شعر و سخن کا نقاد بھی، اس نے بھی ایک تزک لکھی ہے،

بادشاہوں اور شاہزادوں کے علاوہ امرا بھی علم و ادب کے سرپرست تھے، ابو الفتح گیلانی اور عبد الرحیم خانخاناں کی قدردانی نے شعر و سخن کی ایک اکیڈیمی ہی قائم کر دی تھی، خان زمان شعرا کا بڑا مربی تھا، غزالی نے اس کی شان میں ایک ہزار اشعار کا ایک قصیدہ لکھا، خان زمان نے اس کے ہر شعر کے صلہ میں ایک اشرفی دی، کشمیر کا صوبہ دار ظفر خان مشہور شاعر صائب کا مربی تھا، بیرم خان بھی شاعر تھا نظیری کو اس کی سرپرستی حاصل تھی، اکبر کا رضاعی بھائی خان اعظم کوکلتاش اہل قلم تھا، سبزواری، بدخشی، جعفر ہروی، ہمی، اور مداحی وغیرہ شعرا اس کی فیاضیوں کے رہین منت رہے، عرفی نے ایک قصیدہ کے صلہ میں ایک لاکھ روپیہ انعام پائے، امرار کے یہاں برابر مشاعرے ہوا کرتے تھے، شہزادہ دانیال ہندی زبان کا شاعر تھا، شہزادہ مراد نظیری نیشاپوری کا سرپرست رہا، جہانگیر کے عہد میں طالب آملی ملک الشعرا تھا، شاہجہان نے ابو طالب کلیم کو یہ اعزاز بخشا، جہانگیر کے زمانہ میں قندھار کا صوبہ دار غازی وقاری شعرا اور علما کا بڑا دلدادہ تھا، ایران سے جو شعرا ہندوستان آتے وہ پہلے اس کے دربار میں قیام کرتے تھے،

ملک میں بڑے بڑے کتب خانے بھی تھے، جب بابر کی فوجوں نے لاہور کے پاس قلعہ ملوٹ میں داخل ہو کر اس کو لوٹنا شروع کیا، تو بابر نے وہاں کے کتب خانہ کو بچا لیا، اس کو لاہور کے علم نواز غازی خان نے قائم کیا تھا،

ملک میں ماہرین فن اور شعرار کی کثرت اس کا ثبوت ہے کہ مغل بادشاہ ان فنون کی جانب سے کبھی غافل نہیں رہے، جن کو امن و امان کے زمانہ میں فروغ پانا چاہیے تھا، ان کو جنگ و جدل سے جب بھی فرصت مل جاتی، تو رعایا کی حالت سدھارنے کی کوشش میں لگ جاتے، ان کی آمدنی وافر تھی لیکن جو روپیہ بادشاہ کے ہاتھ میں آتا تھا، وہ مختلف ذرائع سے پھر رعایا کے ہاتھ میں پہنچ جاتا تھا،



**عدل گستری**

مغل حکمران عدل کو ایک مقدس فرض سمجھتے تھے، ان کے زمانہ میں ادنی آدمی کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ براہ راست بادشاہ کی خدمت میں پہنچ کر انصاف کا طالب ہو، گو اس حق کے استعمال کا موقع کم آتا تھا تاہم اس کی وجہ سے بے انصافی کی بڑی روک تھام رہتی تھی بعض اوقات یہ حق غربا کے لئے بڑی نعمت ثابت ہوتا تھا،

**مذہبی رواداری**

عدل و انصاف میں اہتمام اور مذہبی رواداری کی پالیسی کی وجہ سے عوام ہمیشہ مطمئن رہے، اسلامی ریاستوں میں سیاست اور مذہب کا گہرا لگاؤ رہا ہے، لیکن مغلوں کی مذہبی رواداری کی وجہ سے کوئی سیاسی خطرہ پیدا ہونے نہیں پایا، اور کسی زمانہ میں بھی یہ کوشش نہیں کی گئی کہ حکمران قوم کا مذہب محکوموں کا بھی مذہب بنایا جائے، حتی کہ اورنگ زیب نے بھی حصول ملازمت کے لئے اسلام کی شرط نہیں رکھی تھی، مغلوں کے عہد میں (Five ~~Act of milia~~ یا (-Corporal Act of uni-) کی کوئی مثال نہیں ملتی، یہ لوگوں کے ضمیر کے خلاف کوئی (-ion act formily-) نیا قانون نہیں بنایا گیا، ایلزبتھ کے زمانہ میں ایک ایسا قانون تھا جس کے ذریعہ جبری طور پر عبادت کرائی جاتی تھی، مغلوں کے زمانہ میں اس قسم کا جبر نہیں کیا گیا،

(St Bartholomew's day) کے جیسے قتل عام سے مغلوں کی تاریخ کبھی داغدار نہیں ہوئی، مذہبی جنگ کی خونریزی سے یورپ کی تاریخ بھری ہوئی ہے، لیکن مغلوں کے عہد میں ایسی مذہبی جنگ کی کوئی مثال نہیں ملتی، بادشاہ مذہب اسلام کا محافظ اور نگہبان ضرور سمجھا جاتا تھا، لیکن اس نے کبھی اپنی غیر مسلم رعایا کے عقائد پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا، بابر سے لیکر اورنگزیب کی تخت نشینی تک مغلوں کی تاریخ تنگ نظری اور فرقہ پرستی کی تلخی سے تقریباً پاک ہے،

مغلوں میں ولندیزیوں سے زیادہ رواداری تھی، یورپین مورخ اورم کا بیان ہے کہ ولندیزیوں نے متعصبانہ مذہبی پالیسی اختیار کی تھی، اور جب مرہٹوں نے عیسائی مذہب اختیار کرنے

سے انکار کیا تو بہت سے مرہٹہ خاندانون پر بڑی سختیان کی گئین، ان ولندیزیون سے سیواجی کی ناخوشی
کی ایک وجہ یہ بھی تھی، وہ ولندیزیون کو اپنے مذہب کا دشمن سمجھتا تھا، اسی انتقام مین اس نے ہندوستان
کے مغربی حصہ کے ولندیزیون سے چوتھ وصول کیا،

**رعایا نوازی** | مغلون کے زمانہ مین وقتاً فوقتاً جو شاہی اعلانات ہوتے رہے، اُن سے مغلون کی رعایا
پروری کا اندازہ ہوتا ہے، اکبر کہا کرتا تھا کہ ظلم ہر شخص کے لئے ناجائز ہے، اور بادشاہ کے لئے خصوصاً
کے ساتھ اور بھی ناروا ہے کہ وہ خود دنیا کا محافظ ہوتا ہے، جانگیر اپنی تزک مین لکھتا ہے،

بہر نگہبانی خلقِ خدا — شب نکنم دیدہ بخواب آشنا
از پئے آسودگی جملہ تن — رنج پسندم بہ تن خویشتن

اورنگزیب نے شاہجہان کو اس کی معزولی کے بعد ایک موقع پر لکھا تھا کہ خداوند
اس کو کچھ عطا کرتا ہے، جس مین رعایا کی حالت سدھارنے اور اُن کی حفاظت کی صلاحیت ہو
حکمرانی کے معنی لوگون کی نگہبانی ہے، نہ کہ تن پروری اور عیاشی،

مغل اپنے ان اقوال کا ثبوت عمل سے دیتے تھے، ان کا نظامِ سلطنت نہ صرف مستحکم
بھی تھا، حکومت کا استحکام اور اقتدار لوگون کے حق مین بہت مفید تھا، اسی کی بدولت ایک
تک ملک مین امن اور اقتصادی خوشحالی رہی،

مغلون کا طرزِ حکومت اگرچہ مطلق العنان تھا، لیکن اس زمانہ کے لئے یہی طرزِ حکومت
تھا، حکومت کے لئے عوام کی نمائندہ جماعت کی ضرورت سمجھی نہین جاتی تھی، تمام لوگ اس طرز
سے مطمئن تھے، جس کو وہ اپنی خواہش سے اختیار کر لیتے تھے، حکومت کا انحصار بظاہر فوجی قوت
لیکن عملاً وہ فیض رسان تھا، رعایا کی تمام پرانی چیزین باقی رہنے دی گئین، ان کے رسم ورواج
قائم رکھا گیا، جس سے ملک کو ترقی ہوتی رہی، اور لاقانونیت کو روک کے رکھا گیا، امن وامان



زور دیا گیا، مغلون کے شخصی استبداد مین مستعدی اور ہوشمندی تھی، اس لئے وہ کامیاب رہا، ازمنۂ
وسطی مین اصلی خطرہ انارکی یعنی طوائف الملوکی کا پھیلنا تھا، کسی کے ہاتھ مین تمام اقتدار کا مرکوز ہوجانا
خطرہ نہین سمجھا جاتا تھا، مغلون نے ملک مین تخریبی عناصر کو کبھی بڑھنے نہین دیا، قانون کا اقتدار
اعلیٰ کامیابی کے ساتھ ہر حال مین برقرار رکھا گیا، گو زیادہ تر بادشاہ کی خواہش ہی کا نام قانون
ہوتا ہے لیکن لوگون نے اس زمانہ کے طرزِ حکومت کو آسانی سے تسلیم کر لیا تھا، جو اس بات کی دلیل
ہے کہ یہ طرز اُن کے سیاسی خیالات و رجحانات کے مطابق تھا، اس لئے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ
مغل مطلق العنان ضرور تھے لیکن اس کے ساتھ بڑے مدبر اور سیاست دان بھی تھے،

"ص، ع"

## کثیر التصانیف مصنفین

قدیم مسلمان علماء و مصنفین مین بہت سے ایسے اہلِ قلم پیدا ہوئے جن کی تصانیف کی تعداد
سینکڑون سے متجاوز ہے، اور ان کی تحریر کا اوسط روزانہ کئی کئی جز پڑتا ہے، ہر قوم اور ہر زمانہ
مین کثیر التصانیف اہلِ قلم موجود رہے ہین، چنانچہ یورپ کے بہت سے ایسے مشہور ناول نگار ہین،
جنھون نے بے شمار ناول لکھے، ڈوما نے بارہ سو جلدین لکھین، لوپ ڈی ویگا نے اٹھارہ سو
ڈرامے لکھے، عورتون مین مرجوری بوون کی تصانیف مین ایک سو ساٹھ ناول ہین، وہ کبھی مرد اور
کبھی عورت کے نام سے اپنی کتابین شائع کرتی تھی، مسز ہمفری وارڈ اور ایولن ایوریٹ گرین ستّر ستّر
ناولون کی مصنفہ ہین، مسز اولی فینٹ نے ایک سو بیس ناول لکھے، ای فلپس اوپنہیم کے نام سے تقریباً دو
سو ناول شائع ہوئے، ایک فرانسیسی اہلِ قلم ایبل ہرمنٹ کے ناولون، ڈرامون، افسانون اور مضامین
کی تعداد سو سے زیادہ تھی، رابرٹ ہوپ مون کریف نے دو سو کتابین تصنیف کین، وہ بچون
کے لئے چھوٹے چھوٹے قصے بھی اسکارٹ اور ہوپ کے نام سے لکھا کرتا تھا، پادری اس بارنگ گولڈ نے

تین سو معیاری کتابین لکھین، ان مین بہت سی ایسی بھی ہین جو برسون کی تحقیقات کا نتیجہ ہین، مشہور ناول
جی۔ پی۔ برجن نے ۳۷ کتابین لکھ کر شہرت حاصل کی، ایڈگر ولیس زود نویسی مین ضرب المثل تھا
وہ خود لکھنے کے بجاے بول کر دوسرون سے قلمبند کراتا تھا، اس نے ڈیڑھ سو ناول، چودہ ڈرامے
ہزارون مضامین اور افسانے لکھے، اس کا خود بیان ہے کہ اُس نے ۱۹۲۷ء مین یعنی ایک سال مین
چھ ڈرامے اور چھبیس ناول لکھے، ایچ جی ویلس کی تصانیف کی فہرست بڑی لمبی ہے، اس کے ناول
افسانے، اور دوسری سیاسی اور عمرانی تصانیف کی تعداد ایک سو اسی سے اوپر ہے، ارنلڈ بنیٹ
نے زیادہ عمر نہین پائی، اور اپنی مختصر زندگی مین ستر کتابین لکھین، سر والٹر اسکاٹ اور
کریک دونون نے ساٹھ ساٹھ کتابین تالیف کین، والٹے نے ایک سو چالیس کتابین اپنی یادگار
چھوڑین، بیل زیک نے پچاسی کتابین تصنیف کین، ان مین بعض بہت ضخیم تھین، کونراڈ ایک
دن مین ۳۵۰ اور ڈبلیو ڈبلیو جیکبس ۲۵۰ الفاظ لکھا کرتا تھا، بعض مشہور ناول نگار تین ہزار
الفاظ تک روزانہ لکھتے ہین، ایڈن فل پوٹس کی عمر اسی سال سے زیادہ تجاوز کر چکی ہے، برنارڈ
کا سن بھی نوے سال سے زیادہ ہے، اور ان دونون کی زندگی مین مختلف قسم کے مشاغل رہے
تاہم وہ اب تک لکھتے رہتے ہین، فل پوٹس نے بیس ناول اور بیسیون قصے اور ڈرامے لکھے، برنارڈ
کے ڈرامے کی تعداد تو گنی جا سکتی ہے، لیکن اس کے مقالات تنقیدی مضامین، ہجوون، بے شمار
خطوط اور تقریرون وغیرہ کا شمار آسان نہین ہے، وہ بوڑھا ہو چکا ہے، لیکن کام کرنے مین
اب تک نہین تھکتا، وہ اپنے سامنے گھڑی رکھ کر ہر پندرہ منٹ کے بعد ڈھائی سو الفاظ لکھتا ہے
وہ عموماً صبح کے ناشتے سے پہلے لکھا کرتا ہے، اُس نے جو ناول لکھے ہین، وہ بہت مفید ہین، زین
گرے نے بھی بہت سی دلچسپ اور حیرت انگیز کتابین لکھین، لکھتے وقت اس مین مشین کی جیسی
تیزی اور باقاعدگی ہوتی ہے، اگاتھا کرسٹی نے پچاس طلسمی ناول لکھے، جو سب کے سب بہت



مشہور ہوئے، بوتھ ٹارکنگٹن ۱۸۹۹ء سے اپنی موت تک ہر سال ایک کتاب لکھ کر شائع کرتا رہا،
جی۔ بی۔ فرانس کی مشہور افسانہ نگار خاتون ہے، یہ کریمیا کی جنگ سے پہلے پیدا ہوئی، اور ۱۹۲۷ء
تک برابر لکھتی رہی،

بہت سے ایسے اہل قلم گذرے ہین جنھون نے بہت کثرت سے لکھا، لیکن بہت زیادہ مشہور
نہ ہو سکے، ایک ناول نگار نے ۱۹۳۵ء اور ۱۹۳۸ء کے درمیان تین ناول لکھے، لیکن اس نے زیادہ
شہرت نہین پائی، ص، ع

---

# اقبال کامل

از

مولانا عبد السلام صاحب ندوی

ڈاکٹر صاحب کے فلسفہ و شاعری پر اگرچہ بکثرت مضامین، رسالے اور کتابین لکھی گئین، لیکن
ان سے اُن کی بلند پایہ شخصیت واضح اور مکمل طور پر نمایان نہ ہو سکی، یہ کتاب اس کمی کو پورا کرنے کیلئے
لکھی گئی ہے، اس مین ان کے مفصل سوانح حیات کے علاوہ ان کے فلسفیانہ اور شاعرانہ کارنامون
کے اہم پہلوؤن کی تفصیل کی گئی ہے، پہلے سوانح حیات ہین، اس کے بعد ان کی اردو شاعری، پھر فارسی
شاعری پر ان کے بہترین اشعار کے انتخاب کے ساتھ مفصل تبصرہ کیا گیا ہے، اور اُن کے کلام کی تمام
ادبی خوبیان دکھلائی گئی ہین، پھر ان کی شاعری کے اہم موضوعون یعنی فلسفۂ خودی، فلسفۂ بیخودی،
نظریۂ ملیت، تعلیم، سیاست، صنفِ لطیف یعنی عورت، فنون لطیفہ اور نظام اخلاق وغیرہ کی تشریح
کی گئی ہے، ضخامت چار سو صفحے، قیمت: عہ

"منیجر"

# ادبیات

## رنگِ تغزل

از

جناب عارف عباسی بلیاوی

"معارف کے ذریعہ متعدد شعراء ادبی حلقہ مین روشناس ہوئے آج ایک ایسے نوجوان و جونہار شاعر کا تعارف کرایا جاتا ہے جس سے کم لوگ واقف ہونگے، نئے شعراء مین بہتون نے جگر کے رنگ مین کہنے کی کوشش کی مگر وہ نقالی سے آگے نہ بڑھ سکے، لیکن عارف کا تغزل جگر کے رنگ مین اتنا ڈوبا ہوا ہے کہ اگر تخلص موجود نہ ہو، تو یہ امتیاز کرنا مشکل ہے کہ یہ جگر کی غزل نہین ہے، ابتدائی مشق مین یہ رنگِ تغزل اُن کے مستقبل کے لئے فال نیک ہے"؛ "م"

جس جگہ عشق کو احساسِ نظر ہوتا ہے ۔۔۔ عالمِ حسن وہین زیر و زبر ہوتا ہے

لالہ و گل کہین خورشید و قمر ہوتا ہے ۔۔۔ حسن ہر رنگ مین فردوسِ نظر ہوتا ہے

ایک وہ بھی طلبِ دوست کی منزل ہے جہان ۔۔۔ وقت خود ساتھ مرے گرمِ سفر ہوتا ہے

کعبہ بھی راہ مین ہے، جلوہ گہ ناز بھی ہے ۔۔۔ دیکھنا ہے کہ مرا عزم سفر ہوتا ہے

اب مٹی جاتی ہے یہ لذتِ ناکامی بھی ۔۔۔ کیا قیامت ہو کہ آہون مین اثر ہوتا ہے

ہر طرف چشمِ تمنا نگران ہے، لیکن ۔۔۔ تیرا جلوہ کہین پابندِ نظر ہوتا ہے

وسعتِ کون و مکان ڈوب کے رہجاتی ہے ۔۔۔ وہ بھی عالم کبھی اے دیدۂ تر ہوتا ہے



میری اس نیند پہ بیداری کونین نثار ۔۔۔ آنکھ لگتے ہی ترے پاؤن پہ سر ہوتا ہے

ہائے اس سوختہ سامان کا مقدر عارف

ایک جلوہ مین جو بربادِ نظر ہوتا ہے

## حشرِ جذبات

از جناب ثاقب صاحب کانپوری

جہانِ عشق مین یہ انقلاب کیا کم ہے ۔۔۔ قرار ہو کہ نہ ہو اضطراب کیا کم ہے

شعاعِ حسن ہے رنگین نقاب کیا کم ہے ۔۔۔ کہ تیرے لطف سے تیرا عتاب کیا کم ہے

سمجھ نہ عشق مین آزار اس ودیعت کو ۔۔۔ دلِ خراب بحالِ خراب کیا کم ہے

سکونِ دل کا تو مژدہ کسی کو اور سنا ۔۔۔ ترے خیال مین یہ پیچ و تاب کیا کم ہے

ہے آشیان مین بھی بیچارگی کا اک عالم ۔۔۔ نہین قفس تو قفس کا خواب کیا کم ہے

وہ جس نے جادۂ الفت مین جان تک دیدی ۔۔۔ کسی کی راہ مین وہ کامیاب کیا کم ہے

یہی ہے عشق مین وجہ سرور کیف و نشاط ۔۔۔ حسین آنکھون مین یہ رنگِ خواب کیا کم ہے

کرون مین اپنی تباہی کا اُس سے کیا شکوہ ۔۔۔ ہجومِ غم مین وہ چشمِ پُر آب کیا کم ہے

وہی ہے اب بھی ترے التفات کا عالم ۔۔۔ خرابِ عشق ترا کامیاب کیا کم ہے

نہین ہے ہجر مین نظارۂ جمال اگر ۔۔۔ کنارِ آب و شبِ ماہتاب کیا کم ہے

حیاتِ عشق تھی تابندہ جس سے اے ثاقب

یہ سوچتا ہون کہ وہ اضطراب کیا کم ہے

———.———

# مطبوعات جدیدہ

**جامع المجددین** از جناب مولانا عبد الباری صاحب ندوی تقطیع چھوٹی ضخامت ۵۶۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد ۱۰ صر پتہ: شبستان قدم رسول ہارڈنگ روڈ لکھنؤ،

اسلام چونکہ آخری اور ابدی مذہب ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی اور اسلام کے بعد کوئی نیا دین آنے والا نہیں ہے، اور امت مسلمہ ساری دنیا کی قوموں کے لئے شاہد اور نمونہ بنائی گئی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں ایسے صلحا، واخیار و مصلحین و مجددین پیدا کرتا رہا، جو اسلام اور مسلمانوں کی تجدید واصلاح کا فرض انجام دیتے رہے، اس مفہوم کی حدیثین بھی ہین، اور اسلام کی تاریخ بھی اس پر شاہد ہے، اس دور کے مسلمانوں کی پوری زندگی اسلام کی شاہراہ سے ہٹ گئی ہے، اور مذہب ومعاشرت، حکومت وسیاست، علوم وفنون، عقائد وعبادات، معاملات واخلاق زندگی کا ہر شعبہ اصلاح کا محتاج ہے، اس لئے یہ زمانہ بھی مصلحین و مجددین سے خالی نہیں، اور بہت سے صلحاء واخیار اپنے نقطۂ نظر سے اصلاح وتجدید کی خدمت انجام دیتے رہے، لیکن جو جامعیت حضرت مولینا اشرف علی رحمۃ اللہ کی تجدید واصلاح مین پائی جاتی ہے، وہ کسی دوسرے مصلح مین نظر نہین آتی انھون نے خواص وعوام علماء وجہلاء عورت مرد، ہر طبقہ اور ہر صنف کے معاملات ومسائل اور مذہب ومعاشرت وسیاست وغیرہ کے دقیق سے دقیق مسائل سے لے کر روزانہ زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتون تک کی جن کی جانب نظر بھی نہین جاتی اصلاح فرمائی ہے، اور دین ودنیا کے جملہ معاملات کے متعلق صحیح اسلامی تعلیمات کو پیش کرکے اسلامی زندگی کا ایسا قد آدم آئینہ بنا دیا ہے جس مین ہر مسلمان اپنی صورت دیکھ کر معلوم کر سکتا ہے کہ ذہنی تک



اسلام کے مطابق ہے، اور اس کے کون کون سے گوشے اصلاح کے محتاج ہین، فاضل مرتب نے جو اس سے پہلے حضرت مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف ومواعظ وملفوظات سے سلوک وتصوف کی تجدیدات کو مرتب کرچکے ہین، اب جامع المجددین کے نام سے مسلمانون کی دینی ودنیاوی زندگی کے متعلق حضرت کی ہمہ گیر اصلاحات وتجدیدات کو مرتب فرمایا ہے، اور اپنی تعلیق وتشریح سے اس کو نہایت موثر و دلنشین بنا دیا ہے، جس کے ذریعہ ہر مسلمان اپنی خامیون اور کوتاہیون کی اصلاح کرکے اپنی زندگی کو صحیح اسلامی سانچہ مین ڈھال سکتا ہے، مباحث ومسائل کے تنوع کثرت اور جامعیت کا اندازہ کتاب کے مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے، کتاب کے شروع مین حضرت الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ کے حقیقت شناس قلم سے ایک فاضلانہ اور حکیمانہ مقدمہ ہے، اس مین ایک طرف منصب تجدید کی حقیقت وضرورت اس کی تاریخ اور حضرت مولینا رحمۃ اللہ کی تجدیدی جامعیت کی تفصیل ہے، دوسری طرف ان خطرات کو بھی دور فرمایا ہے، جو تجدید ومجددیت کے عقیدہ مین افراط وتفریط سے پیدا ہو سکتے ہین، اور خود مولانا رحمۃ اللہ کی تحریرون سے اس کی وضاحت فرمادی ہے کہ "کسی مجدد کا مجدد ہونا اذعانی اور یقینی مسئلہ نہین ہے، اور نہ اس کے دعویٰ پر موقوف ہے، بلکہ خواص امت کو اس کے دینی کارنامون کی بنا پر یا خود اس شخص کو اپنی کوششون کی مقبولیت کی بنا پر یہ گمان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس صدی کا مجدد بنا کر بھیجا ہے (ص ؟) "یا مجدد کو مجدد ماننا ایمان کا ادنیٰ جز بھی نہین ہے، خصوصاً کسی ایک زمانہ کے کسی خاص مجدد کو مجدد تسلیم کرنا بھی ضروری نہین ہے (ص ۲۰) بلکہ یہان تک احتیاط فرمائی ہے، کہ "اس تالیف کا مدعا کسی شخص کی مجددیت کے دعوی کی تشہیر یا منصب تجدید کی دعوت وتلقین نہین ہے، بلکہ یہ مصنف ومرتب (جامع المجددین) کی عقیدتمندانہ تعبیر ہے، کہ وہ حضرت (مولانا اشرف علیؒ) کی اصلاحی مساعی کو تجدیدات کے نام سے یاد کرتے ہین (ص ۴۲)" ان تشریحات کی اس لئے ضرورت تھی کہ مجددیت کے عقیدہ مین افراط وتفریط نے بڑے بڑے فتنے پیدا کئے ہین، اسی لئے خود حضرت مولانا رحمۃ اللہ نے بھی دوسری اصلاحات کی طرح اس عقیدہ کی

بھی اصلاح کی ضرورت سمجھی تھی، یہ کتاب اپنے گوناگون فوائد کے لحاظ سے مسلمانوں کے مطالعہ کے لائق تو ہی ہے، اسکے بہت سے مسائل سے غیر مسلم بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ مصنف کو اس خدمت دین کی جزائے خیر دے،

**نور النور** از مولانا غوث علی شاہ صاحب قادری چشتی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۲۳ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت نفیس قیمت مجلد ۲ غیر مجلد عہ پتے:- (۱) بیت النور جنگلی گوڑہ (۲) مکتبہ ابراہیمیہ عابد روڈ حیدرآباد دکن،

اس کتاب میں مسئلہ وحدۃ الوجود کا اثبات اور اس کی تشریح کی گئی ہے، دیباچہ نگار کا بیان ہے کہ اس میں توحید حقیقی (وحدۃ الوجود) خود شناسی وحق شناسی اور اس کا صحیح راز کتاب وسنت کے مطابق آسان فہم بیان ہوا ہے، اور عام خیال، غلط فہمی بے تحقیق اور ادھ کچے اسلامی خیالات کے مدعیون کی غلط فہمیون کو دور کیا گیا ہے، جو عنوان وحدۃ الوجود کے صحیح اعتبار کو جو مترادف توحید حقیقی ہے، یعنی فہم لا الٰہ الا اللہ اور آیت ہویت ہے، اپنی نافہمی سے غیر اسلامی اور ہندی وغیرہ سمجھتے ہیں'' راقم نے اس کتاب کو غور وتامل سے پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کی لیکن یہ اسکا قصور فہم ہے، یا مصنف کا انداز بیان اتنا پیچیدہ ژولیدہ اور متصوفانہ ہے کہ اس کا بیشتر حصہ سمجھنے سے قاصر رہا، یہ انداز تحریر عوام کیا، خواص اور تعلیم یافتہ طبقہ کے فہم سے بھی باہر ہے، جن لوگون کو اس کا ذوق ہو وہ شاید اس چیستان کو سمجھ سکین، اور اس مین ان کی دلچسپی کا کوئی سامان ہو اور نہ عام مسلمانون کے لئے اس قسم کی کتابون سے کوئی فائدہ نہیں، بلکہ ان سے گمراہی کا اندیشہ ہے اور جو لوگ توحید کے اس مقام پر فائز ہین، ان کے لئے اس کے اثبات کی ضرورت نہین،

**کارنامہ اسلام** از جناب میان بشیر احمد صاحب بیرسٹر ایٹ لا اڈیٹر ہمایون تقطیع اوسط ضخامت ۲۱۵ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد ہے، پتہ مکتبہ:- رسالہ ہمایون نمبر ۳۲ لارنس روڈ لاہور،



مصنف نے جن کو تاریخ اسلام سے ذوق اور اس پر اُن کی نظر بھی ہے اس کتاب مین اسلام اور مسلمانون کی تیرہ سو سالہ تاریخ پر اجمالی تبصرہ کیا ہے، اور دنیا مین اسلام کے انقلاب انگیز اثرات ونتائج مسلمانون کے سیاسی علمی اور تمدنی کارنامون، اور تاریخ اسلام کی تمام قابلِ ذکر حکومتون کا اجمالی نقشہ اور ان کا عروج وزوال دکھایا ہے اور قیام پاکستان تک ہندوستان کے مسلمانون کی مختصر سرگذشت بیان کی ہے جس سے مسلمانون کا سیاسی وجود سامنے آجاتا ہے، اس کو رنگین نقشہ سے بھی دکھایا گیا ہے، کتاب کے آخر مین مرحوم اقبال کے منتخب وولہ انگیز اشعار بھی دیدیئے ہین، اس کے مطالعہ سے مسلمانون کے شاندار ماضی کے ساتھ ان کا مستقبل بھی درخشان نظر آتا ہے، البتہ وہابی سنوسی اور اتحاد اسلامی کی مذہبی اصلاحی تحریکون مین بہائی تحریک کو شامل کرنا تعجب انگیز ہے، اس کو سرے سے اسلام ہی کو کوئی علاقہ نہین، تو اصلاح کا کیا ذکر ہے،

**کلمۂ طیبہ کی حقیقت** از مولانا منظور صاحب نعمانی اڈیٹر الفرقان تقطیع چھوٹی ضخامت ۵۲ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت ۸ر پتہ:- مکتبہ اسلام گوئن روڈ لکھنؤ،

کلمۂ طیبہ کا حقیقی مقصد محض زبان سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار نہین ہے، بلکہ اس مختصر کلمہ مین اسلامی عقائد واعمال کی پوری روح پوشیدہ ہے البتہ اس کے مدارج ہین، زبان سے اقرار اس کا ادنیٰ ترین درجہ ہے، اور آخری درجہ تفویض کامل یعنی تمام اعمال اور پوری زندگی کو مرضی الٰہی کے تابع کر دینا ہے، اس رسالہ مین اسی نقطۂ نظر سے کلمۂ طیبہ کی تشریح کی گئی ہے، اور غیر اللہ کی نفی، توحید الٰہی اور رسالت محمدی کی تصدیق کا حقیقی مفہوم ومنشا، اس کے مدارج، اس کے حصول کی تدبیر، عقائد واعمال مین اس کے آثار ونتائج محبت رسول وغیرہ کلمہ طیبہ کے تمام مضمرات، ومتعلقات کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے، رسالہ گو مختصر لیکن نہایت مفید، اور مسلمانون کے مطالعہ کے لائق ہے، انداز بیان مؤثر ودلکش ہے،

**عربی سیکھنے کا آسان طریقہ** از جناب مولوی عبد الرحمٰن صاحب طاہر سورتی، فاضل ادب

تقطیع اوسط، ضخامت ۱۹۲ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، غیر مجلد عہ

پتہ:- انجمن ترقی عربی ہند، محمد علی روڈ بمبئی، نمبر ۳

یہ اردو میں عربی قواعد کی کتاب ہے، مصنف نے اس میں جدید طرز کے مطابق صرف ونحو کے اسباق مرتب کیے ہیں، کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کو عربی زبان کا صحیح مذاق اور تعلیم کا بھی تجربہ ہے، اور انھوں نے اس نئی کتاب کی تالیف میں دونوں امور کا لحاظ رکھا ہے، اردو میں عربی قواعد کی جتنی کتابیں نظر سے گذریں ان سب میں یہ بہتر نظر آئی، اس کے ذریعہ جلد اور آسانی سے عربی زبان سیکھی جا سکتی ہے، خصوصاً جو تعلیم یافتہ اشخاص عربی سیکھنا چاہیں ان کے لیے زیادہ کارآمد ہے،

**نوائے حیات** (طبع دوم) از جناب یحییٰ اعظمی، تقطیع بڑی، ضخامت ۲۰۴ صفحات، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد للعہ، غیر مجلد ہے، پتہ:- دار المصنفین اعظم گڈھ۔

ناظرین معارف جناب یحییٰ اعظمی کے کلام سے پوری طرح واقف ہوں گے، کئی سال ہوئے اس کا مجموعہ نوائے حیات کے نام سے شائع ہوا تھا، اب مزید ترمیم واضافوں کے ساتھ دوسرا اڈیشن نکلا ہے، اس مجموعہ کا بیشتر حصہ منظومات پر مشتمل ہے، کچھ غزلیں بھی ہیں، مصنف کے کلام میں بڑا اعتدال و توازن ہے، جو نئے شعراء میں کم پایا جاتا ہے، اس میں مذہبی و ملی روح بھی ہے، وطنی و قومی حرارت بھی، جذبات و تاثرات اور واقعات و مناظر کی مصوری بھی، تغزل کی رنگینی و لطافت بھی، اور مشق و ممارست کی پختگی بھی، غرض یہ مجموعہ شاعری کے تمام ظاہری و باطنی محاسن سے آراستہ اسم بامسمّٰی اور اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے،

"م"

جلد ۶۶ ماہ ذی قعدہ ۱۳۶۹ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۵۰ء عدد ۳

## مضامین